چند

ازدواجی مسائل

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

Institute of Islamic Culture

ادارہ ثقافت اسلامیہ

Lahore - Pakistan

Marfat.com

218820
DATA ENTERED

چند ازدواجی مسائل

از

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

ادارۂ ثقافتِ اسلامیّہ
۲۔ کلب روڈ، لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: چند ازدواجی مسائل

مصنف: مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

اشاعتِ نو: 2010ء

تعداد: 500

ناشر: قاضی جاوید

ناظم، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ

مطبع: مکتبہٗ جدید پریس، لاہور

قیمت: -/100 روپے

یہ کتاب اکادمی ادبیات پاکستان اور محکمہ اطلاعات و ثقافت،

حکومتِ پنجاب کے تعاون سے شائع ہوئی ہے۔

Marfat.com

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
۱- کم سنی کی شادی اور فسخ نکاح کا اختیار	۱	ایک استثنائی واقعہ	۱۵
نابالغہ اور اختیارِ فسخ	۱	اختیار کا زمانی امتداد	۱۶
باپ دادا کی وسعتِ اختیار	۳	کیا اچھی مساوات ہے ؟	۱۸
سوئے اختیار	″	جنون کا نام خرد رکھ دیا	۱۹
دلچسپ رعایت	۴	خلاصۂ کلام	″
تصدیقِ قاضی	۵	مسلکِ شافعیہ	۲۰
ثیبہ کا سکوت	″	الگ زاویۂ نگاہ	″
بے بسی کی انتہا	″	صحتِ نکاح	″
شفقت اور سوئے اختیار کا اجتماع	۶	یا اِس سرے یا اُس سرے	۲۱
سوئے اختیار صرف تین نہیں	۷	احادیث کیا کہتی ہیں	″
اختیار نبوت کی ہمسری	۸	دوسرے مجتہدین کیا کہتے ہیں	۲۴
ولی مجبر کی فقہی اصطلاح	″	کمسن محلِ اذن ہی نہیں	۲۷
ولی مجبر کے لیے غلط استدلال	۹	ذرا ٹھہریے	۲۸
قرآن کیا کہتا ہے ؟	۱۰	امام ابن شبرمہ	۲۹
دوسرا غلط استدلال	۱۱	امام ابنِ حزم	″
سیدہ عائشہ کی غلط مثال	۱۲	امام ابوحنیفہ اور سنِ بلوغ	۳۰
اسماء بنت ابی بکر صدیق رض	۱۳		
غلط مثال کی دشواریاں	۱۴	اختتام بحث	″
نکاح نہیں منگنی	″	مسلکِ مالکیہ	۳۱
دوسری دشواری	۱۵	مسلکِ حنبلی	۳۲

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
۲ - تین یکبارگی طلاقیں	۳۴	عُنّہ	۶۷
ناپسندیدہ فعل	"	مفقود الخبر	"
طلاق سے بچانے کی راہیں	"	۴ - نشے میں طلاق	۶۹
طلاق کے تین طریقے	۳۹		
دفعۃً تین طلاقیں پہلے رجعی تھیں	۴۱	۵ - رسم جہیز اور مسلمان	۷۷
فوری طلاق مغلظہ اور حلالہ	۴۴	۶ - حضانت کے مسائل	۸۷
طلاق کا ضابطہ عمل کیا ہو؟	۴۵	حضانت کی تعریف	"
۳ - خلع	۴۷	ائمہ اربعہ کے مسلکوں کا نقشہ	۸۹
ایک ضروری بات	۵۰	حاضنین کی شرائط اور ائمہ اربعہ کا مسلک	۹۱
ایک اور ضروری بات	۵۱		
سوالات	۵۳	مدتِ حضانت اور ائمہ اربعہ کا مسلک	۹۲
جواب	"		
ایلاء	۶۳	مضمون کے اخراجات اور ائمہ کا مسلک	۹۴
مذہب مالکیہ	۶۴		
مذہب حنابلہ	"	اخراجاتِ حضانت	۹۴
لعان	۶۶	مراجع و مآخذ	۹۶

Marfat.com

گزارش

انسانی معاشرے کا بنیادی پتھر ازدواج ہے۔ ازدواج ہی کے طفیل انسان کا وجود قائم ہے۔ صرف انسان ہی نہیں حیوانات اور نباتات کا وجود بھی نر و مادہ کی ہستی کا رہین منت ہے۔

ومن کل الثمرات جعل فیہا زوجین اثنین - (۱۳: ۳)

(تمام پھلوں کے اندر بھی اللہ نے دو دو کے جوڑے بنائے ہیں)

نیز فرمایا:

خلق الازواج کلہا مما تنبت الارض (۳۶: ۶)

(زمین جو کچھ اگاتی ہے اس کے تمام جوڑے اللہ نے پیدا کیے ہیں۔)

بلکہ ایک قرآنی ارشاد تو یہاں تک ہے کہ:

ومن کل شیء خلقنا زوجین (۵۱ :   )

(ہم نے ہر چیز کا جوڑا بنایا ہے)

اللہ تعالیٰ نے جہاں بہت سی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے وہاں زوجیت کو بھی ایک نعمت قرار دیا ہے:

وخلقنکم ازواجا - (۷۸: ۸)

(ہم نے تمہیں جوڑے کی شکل میں پیدا کیا ہے۔)

لیکن ہر نعمت اسی وقت نعمت ہوتی ہے جب اس کا صحیح حق ادا کیا جائے۔ غلط استعمال سے ہر نعمت ایک مصیبت بن جاتی ہے۔ شوہر کے لیے بیوی اور بیوی کے لیے شوہر بلاشبہ نعمت عظمیٰ ہے لیکن یہ ایک ایسا نازک رشتہ ہے کہ معمولی سی بے احتیاطی آگے چل کر عظیم فتنہ برپا کر سکتی ہے اور خاندان کے خاندان تباہ کر سکتی ہے۔ اگر عقل و حکمت کے ساتھ اس کی نزاکتوں کو ملحوظ رکھا جائے تو ازدواجی زندگی گویا جنتی زندگی بن جاتی ہے۔ ورنہ جتنی زیادہ بے احتیاطی

Marfat.com

بڑھتی جائے گی اسی قدر زندگی جہنم زار بنتی چلی جائے گی اور پورا معاشرہ اس سے متاثر ہوگا۔

اسلام کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اس دنیا میں حیاتِ طیبہ اور خوشگوار زندگی گزارنے کے تمام طریقے بتا دیے ہیں اور اسی زندگی کا ایک عظیم حصہ ازدواجی زندگی ہے جس کو خوشگوار بنائے رکھنے کے تمام راستے اسلام نے دکھا دیے ہیں۔ قرآن نے ہدایات دیں۔ صاحبِ قرآن نے معاشرے میں ان کی عملی تشکیل فرمائی۔ عہدِ نبوی میں بھی اور خلفائے راشدین کے عہد میں بھی ازدواجی زندگی سے تعلق رکھنے والے مسائل سامنے آئے۔ مقدمے یا استفتے کی شکل میں بار بار آئے۔ جائز و ناجائز رشتے نکاح، طلاق، ظہار، ایلا، لعان، خلع، عُنّہ، مفقود والخبر، حلالہ، مہر، عدت، حضانت، رضاعت، تجدید نکاح، عقدِ ثانی، نان نفقہ غرض سارے مسائل اپنی مختلف شکلوں کے ساتھ پیش آئے اور ہر پیش آمدہ مسئلے کا حل پیش کر دیا گیا اور اس کا فیصلہ سنا یا گیا۔ بعد والوں کو ان فیصلوں میں اختلاف نظر آیا تو اس دشواری کو یوں دور کیا گیا کہ مختلف مجتہدین نے اپنی اپنی پسند کے مطابق ایک فیصلے کو قبول کر لیا اور باقی فیصلوں سے صرفِ نظر کر لیا۔ اس طرح مختلف مکاتبِ فکر پیدا ہو گئے جن میں سے چار مذاہب اہلِ سنت میں زیادہ پھیلے اور ان کے ماننے والے حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کہلائے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ ائمہ اربعہ یا دوسرے مجتہدین مذہب نہ تو اپنے نام کا کوئی فرقہ قائم کرنا چاہتے تھے نہ اپنے اجتہادات کو حرفِ آخر سمجھتے تھے۔ یہ دراصل خام مواد ہیں جو ان ائمہ و مجتہدین کی سعیِ مشکور، اعلیٰ تحقیق اور بادلیل رائیں ہیں۔ کوئی مکتبِ فکر بھی اللہ کی طرح آخری سند و حجت (FINAL ATHORITY) یا معصوم عن الخطا نہیں۔ بہرحال جب لوگوں نے اپنی اپنی پسند سے یا پیدائشی طور پر مختلف مکاتبِ فکر میں سے کسی ایک کو تسلیم کر لیا اور فرقے کی شکل بن گئی تو لازمی طور پر آپس میں تنگ دلی اور تعصب نے جڑ پکڑ لی اور ہر فرقے کے عوام اور بعض خواص بھی یہ سمجھنے لگے کہ جو ہمارے پاس ہے وہ تو سب کا سب صحیح ہے اور جو دوسروں کے پاس ہے اس کے زیادہ حصے غلط ہیں حالانکہ سب کا استدلال کتاب و سنت ہی سے ہے۔

جہاں تک ہماری ناقص عقل سوچ سکتی ہے معاملہ یوں ہے کہ قرآن میں تو کوئی اختلاف یا تضاد نہیں جیسا کہ خود قرآن ہی نے واضح کر دیا ہے:

Marfat.com

لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً (۴:۸۲)

(اگر قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بڑے اختلافات پاتے)

رہی احادیث و مرویات تو ہمارا ایمان یہ ہے کہ رسولؐ نہ قرآن کے خلاف کوئی فیصلہ کر سکتا ہے نہ رسولؐ کے کلام میں تضاد ہو سکتا ہے۔ راویوں کی غلطی ہو سکتی ہے۔ لیکن رسولؐ کی طرف تناقض بیان کی نسبت درست نہیں۔ یہ جو آپ کو مختلف احکامی احادیث نظر آتی ہیں ان میں کوئی باہمی اختلاف یا تضاد نہیں بلکہ یہ اختلافات دراصل مختلف مواقع اور مختلف مصالح کے مختلف احکام ہیں۔ ان کا پس منظر سامنے نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں تناقض نظر آتا ہے۔ ائمہ مجتہدین نے اپنی صوابدید کے مطابق کسی ایک کو اصح اور اقوی یعنی صحیح تر اور قوی ترسمجھ کر قبول کر لیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوسری احادیث کو غلط سمجھتے تھے۔ اگر کسی روایت کو وہ غلط سمجھ کر رد کرتے ہیں تو وہ کسی دلیل سے ایسا کرتے ہیں جس میں بجائے خود بھی غلطی کا امکان موجود ہے۔ آئندہ دور میں یہ عین ممکن ہے کہ قوی دلائل سے ان کی قبول کردہ روایت میں سقم نکل آئے یا رد کردہ روایت میں صحت کا پہلو غالب ہو جائے۔

بہرکیف بات عقلی و نقلی دلائل سے ہونی چاہیے نہ کہ محض تقلیداً۔ جب تک یہ نہیں ہوتا اس وقت تک ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم احکام کے اختلافات کو مختلف مواقع و مصالح پر محمول کریں اور کسی ایک مکتب فکر کی جامد تقلید کی بجائے براہ راست کتاب و سنت سے استفادہ کرتے ہوئے سب سے فائدہ اٹھائیں۔

اس استفادے کا طریقہ یہ ہے کہ ان تمام احکام سے فائدہ اٹھائیں جو ہمارے عصری تقاضوں کو بھی پورا کریں اور زندگی کے دوسرے گوشوں کی طرح ازدواجی زندگی کی ان گتھیوں کو سلجھائیں جن کی وجہ سے ازدواجی زندگی کی خوشگواریاں پیچ در پیچ مصائب و دشواری میں تبدیل ہو گئی ہیں۔

ہم نے اپنی گتھیوں کو کتاب و سنت اور فقہ و حکمت کی روشنی میں سلجھانے کی کوشش کی ہے ہم پہلے اپنی کتابوں اور مضامین میں ان مسائل پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ پیش نظر کتاب میں چھ مسائل پر اپنی بساط کے مطابق گفتگو کی ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جو اکثر و بیشتر ازدواجی زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں اور ہمارے فقہی جمود کی وجہ سے بہتیری مشکلات کا حل نہیں ملتا۔ کیا ایسا

Marfat.com

ممکن یا مناسب نہیں کہ ہم کسی ایک فرقے کی فقہ کے مکمل پابند ہونے کی بجائے براہِ راست کتاب و سنت سے استفادہ کریں اور اس کی روشنی میں دوسرے ائمہ مجتہدین سے بھی فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچیں؟

اس کتاب میں میں نے یہی کوشش کی ہے لیکن یہ کوئی حرفِ آخر نہیں۔ سارے اہلِ علم کو ذرا آزاد اور وسیع تر غور و فکر سے ایک نتیجے پر پہنچنا چاہیے اور اپنے دور کی فقہ اُن کو خود مرتب کرنا چاہیے۔

زیرِ غور مسائل جن پر اس کتاب میں گفتگو کی گئی ہے۔ یہ ہیں:

۱۔ کم سنی کی شادی اور فسخِ نکاح کا اختیار۔ ۲۔ تین یکبارگی طلاقیں۔ ۳۔ خلع۔ ۴۔ طلاقِ سکران۔ ۵۔ رسمِ جہیز اور مسلمان۔ ۶۔ حضانت کے مسائل۔

ان مضامین کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ کم سنی کی شادی کو روک دینا چاہیے ورنہ اسے عقل و رُشد آنے تک فسخ کا اختیار دینا چاہیے۔

۲۔ بیک مجلس جو تین طلاقیں دے دی جاتی ہیں ان کو رجعی سمجھنا چاہیے نہ کہ مغلظہ۔

۳۔ نشے کی حالت میں جو طلاق دی جائے اسے غیر معتبر تصور کرنا چاہیے۔

۴۔ خُلع کا پورا پورا حق بیوی کو ملنا چاہیے۔

۵۔ جہیز نہ کوئی سنتِ رسولؐ ہے نہ لازمۂ ازدواج۔

۶۔ حضانت میں محضون کو اس حاضن یا حاضنہ کے سپرد کرنا چاہیے جس سے بہتر تربیت کی امید غالب ہو۔

یہ ہماری دیانت دارانہ رائے ہے جس کے لیے ہم نے نقلی و عقلی دلائل دیے ہیں۔ ہماری تحقیق میں غلطیوں کا امکان بہرحال موجود ہے۔ اب یہ اہلِ علم کا کام ہے وہ ان دلائل کی روشنی میں غور و فکر کر کے کسی نتیجے پر پہنچیں۔

محمد جعفر پھلواروی رفیق ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور

Marfat.com

(۱)

کم سنی کی شادی اور فسخ نکاح کا اختیار

اس میں بتایا گیا ہے کہ کم سنی کی شادی معاشرتی مصالح کے خلاف ہے اور اگر کسی مجبوری سے کم سنی کی شادی کی جائے تو اسے فسخ نکاح کا حق مناسب عمر تک ہونا چاہیے۔

نابالغہ اور فسخ نکاح

(مسلک حنفی میں)

دو قسم کے ولی مجبر

احناف کے نزدیک باپ اور اس کی غیر موجودگی میں دادا ولی مجبر ہوتا ہے۔ ولی مجبر کا مطلب یہ ہے کہ نابالغ بچی کا نکاح اس سے پوچھے یا اسے بتائے بغیر کرا دے۔ خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ[1]، تو وہ اپنے نکاح کو فسخ کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتی۔ نہ بلوغ سے پہلے نہ بلوغ کے بعد۔ ہاں اگر باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی مجبر اس کا نکاح کرا دے تو وہ اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ پہلا قطرۂ خون دیکھتے ہی اسی آن دو گواہوں کے سامنے اعلان کر دے کہ میں نے اپنا نکاح فسخ کر دیا۔ اور اگر اسے بلوغ کے بعد تک اپنے نکاح کا کوئی علم نہ ہو تو نکاح کا علم ہوتے ہی اسی آن گواہوں کے سامنے اعلان فسخ کر دے اگر علامت بلوغ دیکھنے یا علم نکاح ہونے کے بعد دو سیکنڈ بھی خاموش رہی تو اس کی

---

[1] ثیب یا ثیبہ وہ عورت ہے جس کے شوہر نے قبل از بلوغ یا بعد از بلوغ اس کی بکارت زائل کی ہو پھر وہ مطلقہ یا بیوہ ہو گئی ہو۔

Marfat.com

رضامندی سمجھی جائے گی اور تمام عمر وہ اپنا نکاح فسخ نہیں کر سکتی۔ اگر اسے یہ مسئلہ نہ بھی معلوم ہو (کہ بالغ ہوتے ہی یا علم نکاح ہوتے ہی اسی آن اعلانِ فسخ کرنے سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے) تو ناواقفیت کا یہ عذر نہیں سنا جائے گا۔ شرح وقایہ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

"وللولی انکاح الصغیر والصغیرۃ ولو ثیبًا..... ثم ان زوجھما الاب او الجد لزم وفی غیرھما فسخ الصغیران حین بلغا او علما بالنکاح بعدہ..... وسکوت البکر رضاءھنا..... ولا یمتد خیارھا الی اٰخر المجلس وان جھلت بہ..... ولا تعذر بالجھل والجھل لیس بعذر فی حقھا۔"[۵۲]

"ولی کو نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح کرادینے کا حق ہے۔ خواہ لڑکی ثیب ہی کیوں نہ ہو۔ پھر اگر باپ یا دادا نے بیاہا ہو تو لازمی طور پر نافذ ہوگا (کبھی اختیار فسخ نہ ہوگا) اور باپ دادا کے علاوہ دوسرے ولی کے کرائے ہوئے نکاح میں کم سن لڑکے اور لڑکی بالغ ہوتے ہی یا بعد بلوغ علم نکاح ہوتے ہی فسخ نکاح کر سکتے ہیں[۵۳] اور اس معاملے میں باکرہ کا سکوت رضامندی ہوگا۔ یہ خیار فسخ مجلس بدلنے تک قائم نہ رہے گا اگرچہ وہ اس مسئلے سے ناواقف ہو اس کی ناواقفیت کا عذر قبول نہیں ہوگا۔ یہ ناواقفیت اس کے حق میں کوئی عذر نہیں۔"

احناف میں صرف خصاف نے اتنی رعایت کی ہے کہ آخر مجلس تک اس خیار کو ممتد کر دیا ہے۔ وجعل الخصاف خیار البلوغ ممتدًا الی اٰخر المجلس وھو خلاف روایۃ المبسوط[۵۴]

---

۵۲ (شرح وقایہ مع عمدۃ الرعایہ ج ۲) ص ۲۲-۲۳ طبع مجتبائی ۱۹۱۹ء

۵۳ قاضی ابویوسف تو باپ دادا کے علاوہ دوسرے اولیا کے کرائے ہوئے نکاح صغائر کو بھی دائم و قائم اور ناقابلِ فسخ جانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو بین السطور ایضاً ص ۲۳ کی عبارت: وفیہ خلاف ابی یوسف ایضاً حیث یقول بلزوم نکاح غیر الاب والجد ایضاً وعدم خیار البلوغ۔

۵۴ ایضاً ص ۲۴، حاشیہ ۲

Marfat.com

یہی مضمون ہدایہ مطبوعہ مطبوعہ مجتبائی ۱۳۷۵ھ، جلد ۲، ص ۲۹۶، ۲۹۷ میں بھی ہے۔ اور قدوری مطبوعہ کراچی ص ۱۱۴۹ اور کنز الدقائق مطبوعہ کراچی ص ۱۱ میں بھی ہے۔ گویا حنفیہ کی چاروں بنیادی کتابیں اس مسئلے میں ہم آہنگ ہیں۔ ہم نے صرف بنیادی کتابوں کے حوالے دیے ہیں۔ ورنہ ہر حنفی کتاب فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔

باپ دادا کی وسعتِ اختیار

بات صرف اسی قدر نہیں کہ باپ دادا کا کرایا ہوا نکاح لڑکی فسخ نہیں کر سکتی بلکہ:

.... یلزم ذلک النکاح مطلقا ولو کان ذلک من غیر کفو وکان بغبن فاحش بزیادة مهره او قلة مهرها لان شفقتهما علی الصغار فوق شفقة الاجانب والاقارب[۵۵]....

"باپ دادا کا کرایا ہوا نکاح بلا کسی شرط کے (دائمی طور پر) لازماً باقی رہے گا اگرچہ غیر کفو سے ہوا ہو اور اگرچہ لڑکے کا مہر زیادہ اور لڑکی کا کم رکھ کر غبن فاحش سے کام لیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹے بچوں پر باپ دادا کی شفقت دوسرے تمام بیگانوں اور یگانوں کی شفقت پر فائق ہوتی ہے۔"

سوئے اختیار

احناف کے نزدیک نابالغہ کو باپ دادا کے کرائے ہوئے نکاح میں بھی خیار فسخ دیا گیا ہے جو بالغ ہوتے ہی اُسی آن ہو سکتا ہے۔ مگر وہ بھی کوئی کھلا ہوا حق نہیں بلکہ اس کے لیے ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ اس ولی مجبر نے سوئے اختیار سے کام لیا ہو اور سوئے اختیار یہ ہے کہ اس سے پہلے اس نے اپنی کسی نابالغہ لڑکی کا نکاح:

۱- غیر کفو میں کیا ہو۔ یا

۲- مہر مثل سے کم تر مہر پر کیا ہو۔ یا[۵۶]

---

[۵۵] شرح وقایہ ص ۲۳ حاشیہ ۷ ج ۲

[۵۶] امام شافعی کے نزدیک مہر مثل سے کم رکھنا خلافِ سنت ہے جس کا تارک گنہگار تو ہوگا مگر نکاح درست ہوگا۔

Marfat.com

۳- کسی فاسق سے کر دیا ہو۔[57]

دلچسپ رعایت

احناف نے بونا بالغہ کو بالغ ہوتے ہی اسی آن فسخ نکاح کا حق دیا ہے اس میں ایک "بہت بڑی رعایت" یہ بھی رکھی گئی ہے کہ اگر وہ علامت بلوغ ایسے موقع پر دیکھے جہاں اشہادِ شاہدین ممکن نہ ہو۔ مثلاً آدھی رات کو دیکھے (غسل خانے پاخانے وغیرہ میں دیکھے) تو وہ اپنی زبان سے اسی وقت کہہ دے کہ "میں نے اپنا نکاح فسخ کیا"۔ اور صبح ہوتے ہی گواہوں کے سامنے یوں بیان دیدے کہ "میں نے تو ابھی ابھی علامت بلوغ دیکھی ہے اور میں نے اپنا نکاح فسخ کیا"۔ یہ بیان جھوٹ تو ہوگا لیکن یہ جھوٹ اس کے لیے جائز ہوگا تاکہ اس کا حق فسخ باقی رہے۔ اور یہ ایک شرعی ضرورت ہے۔ وکا یخفی ان ھذہ حالة ضرورة[58]۔ اور عمدة الرعایۃ کی عبارت یوں ہے۔

"فان رأت لیلاً تطلب بلسانها فتقول فسخت نکاحی وتشهد اذا اصبحت وتقول رأیت الدم الآن - قیل لمحمد کیف یصلح هذا وهو کذب فقال لاتصدق فی الاشهاد فجاز لها ان تکذب کیلا یبطل حقها"[59]

اگر وہ علامت بلوغ دیر شب میں دیکھے تو زبان سے کہہ دے کہ میں نے نکاح فسخ کیا اور جب صبح ہو جائے تو یہ کہہ کر گواہی دے کہ میں نے تو ابھی خون دیکھا ہے۔۔ امام محمد سے پوچھا گیا کہ یہ کس طرح درست ہوگا جبکہ یہ جھوٹا بیان ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ گواہ پیش کرنے میں تو وہ سچی نہیں ہوگی لیکن یہ جھوٹ اس لیے جائز ہوگا کہ اس کا حق باطل نہ ہو جائے۔

---

۵۷ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴، ص ۲۱

۵۸ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴، ص ۳۱، ۳۲

۵۹ شرح وقایہ جلد ۲، ص ۲۴، حاشیہ ۲

Marfat.com

تصدیقِ قاضی

اور پھر یہ بھی واضح رہے کہ فسخ اتنی آسانی سے نہیں ہو جائے گا۔ بلکہ اس بالغہ کے فسخ کرنے کے بعد وہ تفرلق بین الزوجین کے لیے تصدیق قاضی کی محتاج رہے گی۔[لے]

ثیّبہ کا سکوت

احناف نے ایک بڑا حق اور یہ دیا ہے کہ نابالغہ اگر ثیّبہ ہو (خواہ پہلے سے ہو یا اس کے سابق شوہر نے کر دیا ہو) تو بالغ ہونے کے بعد اس کا محض سکوت کافی نہیں۔ اپنے قول یا عمل سے اگر رضامندی نہ ظاہر کی ہو تو اسے حقِ فسخ ساری عمر رہے گا۔ (الفقہ الیغد)

بے بسی کی انتہا

مندرجہ بالا اقتباسات پڑھنے سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ احناف نے نابالغہ کو اتنا زیادہ بے بس کر دیا ہے کہ جس سے زیادہ بے بسی کا تصور بھی مشکل ہے۔ باپ دادا تو وہ ولی مجبر ہیں کہ غیر کفو میں بیاہ دیں یا مہر میں غبنِ فاحش سے کام لیں یا فاسق کے حوالے کر دیں کچھ بھی کریں اس بے چاری کو زندگی کی آخری سانس تک بھی حق فسخ نہیں۔ اس طرح بیاہ دینا، حنفیہ کی اصطلاح میں "سوئے اختیار" ہے مگر نکاح میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ اور لڑکی فسخ کے معاملے میں بے بس ہی رہے گی۔ ہاں اگر دوسری بچی کے ساتھ بھی "سوئے اختیار" سے کام لیا ہو تو اس دوسری کو فسخ کا وہ اختیار مل جائے گا جو باپ دادا کے علاوہ دوسرے ولی مجبر کے کرائے ہوئے نکاح میں ملتا ہے (اس کا ذکر آگے آئے گا) گویا دو بچیوں کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ ہے لیکن دونوں کے احکام میں فرق ہو جاتا ہے۔ پہلی بے اختیار ہے اور دوسری کو تھوڑا سا اختیار مل جاتا ہے۔

دوسری کو جو اختیار مل جاتا ہے وہ ایسا اختیار ہے جو (باپ دادا کے علاوہ)

لے الفقہ علی المذاھب الاربعہ ج ۴ ص ۳۱)

ازدواجی معاملات سب کے سب قضا ہی کے واسطے سے ہونے چاہئیں۔ یہ صرف خلع ہی کے لیے نہیں۔ مرد اگر طلاق دے تو اسے بھی قضا ہی کے راستے آنا چاہیے کئی اسلامی ملکوں میں یہ رعایت رکھی گئی ہے اور یہ صحیح ہے۔

Marfat.com

دوسرے ولی مجبر کے کرائے ہوئے نکاح میں ملتا ہے اور وہ ایک ایسا اختیار ہے جو سلبِ اختیار سے بھی بدتر ہے۔ یعنی وہ علامتِ بلوغ دیکھتے ہی یا بصورت لاعلمی علم نکاح ہوتے ہی دو سیکنڈ گزرنے سے پہلے گواہوں کے سامنے فسخ نکاح کا اعلان کرے اس کے بعد بھی قاضی کی تصدیق سے تفریق ہو گی۔ یعنی یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ دیہات کی ہر بچی بلوغ سے پہلے شرح وقایہ جلد ثانی تک فقہ ضرور جانتی ہے۔ لہٰذا ہر وقت اپنے ساتھ دو گواہوں کو بھی رکھتی ہو گی اور اتنی جرأت مندانہ حیا بھی رکھتی ہو گی کہ اگر دونوں گواہ کسی شب اس کے قریب نہ سوئے ہوں کہ وہ جگا سکے یا غسل خانے یا بیت الخلا کے دروازے پر کسی وقت موجود نہ ہوں تو ایسی صورتوں میں وہ یہ "مقدس جھوٹ" بول سکتی ہے کہ "ابھی وقت میں نے اپنی علامتِ بلوغ دیکھ کر اپنا نکاح فسخ کر دیا ہے" دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ علامتِ بلوغ دیکھنے سے دو سیکنڈ پہلے تک وہ قوتِ فیصلہ سے عاری، بے عقل اور بے اختیار تھی لیکن پہلا قطرۂ خون دیکھتے ہی اتنی بڑی قوتِ فیصلہ کی مالک اور اس درجہ ذہین و عاقل ہو جاتی ہے کہ ایک سیکنڈ کے اندر اندر اپنی زندگی کے مستقبل کے تمام نشیب و فراز کی تہہ تک پہنچ جاتی ہے اور فوراً اپنے شوہر کے بارے میں کوئی تحقیق کیے بغیر فیصلہ کر لیتی ہے۔ کہ میرا اس سے نباہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ پہلے قطرۂ خون کے اس اعجاز سے انکار کی کون جرأت کر سکتا ہے؟

شفقت اور سوئے اختیار کا اجتماع

پھر ایک اور نکتہ بھی ملاحظہ ہو۔ ولی مجبر (باپ دادا) کو جو لا نہایت اختیارات دیے گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹی اولاد پر وہ زیادہ شفیق ہوتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد باپ دادا کی شفقت عداوت میں تبدیل ہو جاتی ہے؟ پھر بالغہ کے بارے میں باپ دادا شرعاً بے اختیار کیوں ہو جاتے ہیں؟ یہ شفقت کی کون سی قسم ہے کہ نابالغہ اتنی بے اختیار ہو کہ بالغ ہونے کے بعد بھی وہ بے بس ہی رہے؟ صرف ایک سیکنڈ کے لیے اسے اختیار فسخ حاصل ہو وہ بھی اس وقت جب کہ ولی مجبر پہلے سوئے اختیار کا مرتکب ہو چکا ہو۔

Marfat.com

ایک سوال اور بھی ہے کہ جب بالغ ہو کر اس کے لیے جھوٹ جائز ہے اس لیے کہ یہ ایک شرعی ضرورت ہے تو شرعی ہی ضرورت سے ولی مجبر کے اختیارات میں کمی اور لڑکی کے اختیارات میں توسیع کیوں نہیں ہو سکتی؟ اور سوئے اختیار میں بہت سی دوسری بدعنوانیوں کو کیوں داخل نہیں کیا جا سکتا؟ جھوٹ تو بہر حال ایک لعنت ہے۔ کتاب و سنت میں ہر جگہ اس کی ممانعت ہے لیکن کتاب و سنت میں نہ کہیں ولی مجبر کو اتنے اختیارات دیے گئے ہیں اور نہ لڑکی کے اختیارات اس قدر سلب کیے گئے ہیں۔

باپ دادا کی شفقت سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ باپ دادا کو "اتنا شفیق" ماننے کے باوجود ان سے "سوئے اختیار" کا یہ خطرہ کیوں ہے کہ کہیں وہ غیر کفو سے نہ بیاہ دیں یا مہر میں غبن فاحش نہ کر بیٹھیں یا کسی فاسق سے پیوند نہ جوڑ دیں؟ اور اگر یہ خطرہ ہے اور بالکل صحیح خطرہ ہے تو شفیق ماننے کے بعد ولی کو جتنے بے پناہ اختیارات دیے گئے ہیں کیا "سوئے اختیار" کے بعد اتنا ہی سلبِ اختیارات کیا گیا ہے یا لڑکی کے اختیارات میں اتنا ہی اضافہ کیا گیا ہے؟ نہیں۔ بلکہ پہلی لڑکی کے ساتھ سوئے اختیار سے ولی کے اختیارات پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ادھر لڑکی ویسی ہی بے اختیار رہتی ہے۔ ہاں دوسری لڑکی کے حق میں سوئے اختیار کو کام میں لانے سے صرف اتنا اثر پڑتا ہے کہ لڑکی کو علامتِ بلوغ دیکھتے ہی اسی آن دو گواہوں کے سامنے اعلانِ فسخ کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور جیسا کہ آپ نے ابھی سن لیا کہ یہ حق سلبِ حق سے بھی بدتر ہے۔

"سوئے اختیار" صرف تین نہیں

ہم یہ گزارش کریں گے کہ سوئے اختیار میں وہی تین باتیں شامل نہیں۔ اسی وزن کی دوسری باتوں کو بھی سوئے اختیار میں داخل کر لینا چاہیے۔ نیز اولیا کے اختیارات گھٹا کر کچھ مزید اختیارات لڑکی کو بھی دینے چاہئیں۔ پھر اول و آخر کا فرق بھی نہیں ہونا چاہیے۔ سوئے اختیار وہ تجارتی کاروبار بھی ہے جو یہاں عام طور پر نکاح یا شادی کے نام سے کیا جاتا ہے اور زرِ مہر پر اولیا قبضہ کر لیتے ہیں۔ (۲) شوہروں کا بیویوں کو معلق رکھ کر طلاق کی قیمت وصول کرنا بھی سوئے اختیار ہے۔ (۳) بھاری جہیز اور

Marfat.com

تملک "کا مطالبہ اور لڑکیوں کو جاہل رکھنا بھی سوئے اختیار میں داخل ہے۔ یہ کیا تماشا ہے کہ جاہل تو باپ رکھے اور سزا بھگتے لڑکی۔ یعنی اسے کیوں یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ بالغ ہوتے ہی اسی آن اعلان فسخ نہ کرے تو اس کا نکاح ناقابل فسخ ہو جاتا ہے۔ سوئے اختیار صرف وہی نہیں جو اپنی لڑکی کے خلاف استعمال ہو۔ اپنے دوسرے اقربا، بیوی، بہن بھائی اور والدین وغیرہ کی حق تلفی کرنے والے کے متعلق یہ کیوں فرض کر لیا جائے کہ وہ اپنی لڑکیوں کے حق میں ضرور حسنِ اختیار ہی سے کام لے گا؟ کیا اپنی بیٹیوں کو ترکہ نہ دینے والے باپ سوئے اختیار کے مرتکب نہیں؟ یہ حق تلفیاں مہر مثل میں کمی زیادتی کرنے یا غیر کفو میں بیاہ دینے یا فاسق سے نکاح کرانے سے کہیں بدتر سوئے اختیار ہیں۔ پہلا فاسق تو وہ خود ہے جو ان صریح حق تلفیوں کا علی الاعلان ارتکاب کر رہا ہے۔ وہ تو ہرگز اتنے لامحدود اختیارات کا مستحق نہیں ہو سکتا کہ لڑکی کلیۃً بے اختیار ہو کر رہ جائے۔

اختیاراتِ نبویؐ کی ہمسری

اس قسم کے انتہائی اختیارات صرف پیغمبر کے لیے مخصوص ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

۱۔ النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم

"نبی اہل ایمان پر خود ان کی ذات سے بھی زیادہ اختیار رکھتا ہے۔"

۲۔ ما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہٗ ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم۔

"کسی مرد و زن کو جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دے کوئی اختیار ان کے اپنے معاملے میں باقی نہیں رہتا۔"

پس جو اختیارات اللہ اور اس کے رسولؐ نے باپ دادا کو نہیں دیے وہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔ ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ "ولی مجبر" کے ان لامحدود اختیارات اور لڑکی کی ان بے اختیاریوں کے پیچھے کونسی نص ہے جس کی بنیاد پر یہ فقہی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔

ولیٔ مجبر کی فقہی اصطلاح

ولی مجبر کی کوئی اصطلاح کتاب و سنت میں موجود نہیں۔ یہ صرف فقہا کی اصطلاح ہے۔ فقہا کی ہر اصطلاح قابلِ اعتراض یا قابل ترک نہیں لیکن اگر کتاب و سنت میں کوئی

Marfat.com

محکم بنیاد نہ ملتی ہو بلکہ وہ فقہا کی محض ایک رائے ہو اور وہ حرج عظیم ــــ سلب حریت واختیار ــــ کا سبب ہو تو ایسی اصطلاح نہ واجب العمل شے ہے۔ نہ کوئی ناقابل ترمیم شرعی قانون ــــ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ صغر سنی کی شادی کے جواز کے لیے یہ اصطلاح وضع ہوئی ہے۔ یہ ہم اس لیے عرض کر رہے ہیں کہ شریعت کے اصل مآخذ کتاب وسنت میں کم سنی کی شادی کا ہمیں کوئی مستند سراغ نہیں ملتا۔

ولی مجبر کے لیے غلط استدلال

جن آیات یا حدیث سے اس کا جواز نکالا جاتا ہے۔ ان سے استدلال ہی صحیح نہیں۔ مثلاً۔

۱۔ ایک آیت یہ پیش کی جاتی ہے:۔

واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ اشھر، واللائی لم یحضن۔

"تمہاری عورتوں میں جو آئسہ ہو چکی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت (بعد از طلاق) تین ماہ ہے اور ان کی بھی جنھیں ماہواری نہ آئی ہو۔"

واللائی لم یحضن (جنھیں ماہواری نہ آئی ہو) سے نابالغ مراد لی جاتی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ "من نسائکم" کا لفظ اس کی تائید نہیں کرتا۔ "نساء" بالغ عورتوں کو کہتے ہیں نہ کہ کم سن بچیوں کو۔ کم سن بچی کے لیے صغیرہ وغیرہ کے الفاظ ہیں نہ کہ نساء کا لفظ۔ نساء کے معنی اگر کہیں مجازاً کم سن لڑکی کے لیے بھی لیے جائیں تو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ حقیقی معنی وہاں نہ لیے جا سکتے ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ لم یحضن (جنھیں ماہواری نہ آئی ہو) سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد وہ بالغ عورتیں ہیں جنھیں خون کی کمی یا کسی اور نسوانی مرض کی وجہ سے عرصہ دراز سے ماہواری نہ آئی ہو اور اسی اثنا میں انھیں طلاق دے دی گئی ہو۔ ایسی عورتوں کی صورت حال جوان ہونے کے بعد ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسی کبر سنی کی وجہ سے آئسہ عورتوں کی ہوتی ہے۔ بالغ دونوں ہوتی ہیں۔ ایک کو بڑھاپے کے تقاضے سے ماہواری نہیں آتی اور دوسری کو اینیمیا (خون کی کمی) یا دیگر نسوانی مرض کی وجہ سے۔ دنیا میں ایسی عورتوں کی کمی نہیں۔ لفظ نساء کے ہوتے ہوئے مفسرین کا یہ لکھ

Marfat.com

دیناکہ "لم یحضن" سے مراد صغیرہ نابالغہ ہے۔ ہمارے لیے کوئی واجب التسلیم حجت نہیں۔

اس کے علاوہ یہاں انہی عورتوں کی عدت طلاق کا ذکر ہے جن سے خلوت ہو چکی ہو۔ (کیونکہ جنہیں چھوا بھی نہ گیا ہو۔ ان کی کوئی عدت ہی نہیں) اور کم سن بچی یا نابالغہ سے خلوت کا تصور اگر گھناؤنا نہیں تو نازیبا یقیناً ہے۔ ایسا تصور ایک خالص اسلامی سوسائٹی اور رسول صلوات اللہ علیہم کو تو بالکل زیب نہیں دیتا۔ سن رسیدہ باکرہ کا تصور تو ہو سکتا ہے۔ لیکن صغیرہ ثیبہ کا ذکر خدا جانے کیوں ہماری فقہ کی کتابوں (کتاب النکاح اور کتاب الطلاق) میں بار بار آتا ہے۔ ایک صغیرہ کو ثیبہ کرنا انتہائی جنسی بے صبری کا غماز ہے۔ قرآن کریم سے ہم یہ توقع تو کر سکتے ہیں کہ اس بے صبری سے روکے لیکن یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس کی کھلی چھٹی دے۔ نکاح کا مقصد اگر ہوس رانی نہیں بلکہ حصول اولاد ہے تو صغیرہ سے کون شخص معجزانہ طور پر اولاد لے سکتا ہے؟

قرآن کیا کہتا ہے؟

ہم یہ بلاوجہ نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ قرآن نے محض اشاروں میں نہیں بلکہ کسی قدر وضاحت سے بتایا ہے کہ صغیرہ کا نکاح نہ کیا جائے۔

> حتّٰی اذا بلغوا النکاح فان انستم منھم رشدًا فادفعوا الیھم اموالھم ....."

> "(اے اولیائے یتامیٰ) جب وہ یتامیٰ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ جب بھی ان کے اندر رشد دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔"

اس ہدایت میں دو نکتے خاص طور پر قابل غور ہیں:۔

ا۔ یہاں نکاح کے لیے جو عمر بتائی گئی ہے اس کے لیے بلوغ کا لفظ لایا گیا ہے۔ بلوغ کے لغوی معنی ہیں پہنچنا — جوان کو بالغ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عمر کی اس منزل میں قدم رکھتا ہے جہاں پہنچ کر اس کے اندر نکاح کی طلب شروع ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ "بلغوا النکاح" فرما کر قرآن نے یہ بتا دیا ہے کہ نکاح کی عمر بلوغ سے شروع ہوتی ہے

Marfat.com

نہ کہ اس سے پہلے۔

۲۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یتیموں کا مال ان کے حوالے کرنے کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ بالغ ہو جائیں بلکہ "رشد" پیدا ہو جانے کی شرط ہے۔ یعنی وہ زندگی کے نشیب و فراز سے واقف ہو جائیں اور مال کو سنبھالنے اور اس کا صحیح مصرف لینے کی صلاحیت پیدا کریں۔ اگر ان میں اتنی تمیز و رشد موجود نہ ہو اور یہ خطرہ ہو کہ اپنی بیوقوفی سے مال اڑا کر برباد کر دیں گے تو ان کا مال ان کے حوالے نہیں کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

لا تؤتوا السفهاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما۔

"اپنا مال جسے اللہ نے تمھارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے بے وقوفوں کے حوالے نہ کرو۔"

اب آپ خود ہی سوچیے کہ خدا تعالیٰ مال کی حوالگی میں اتنی احتیاط کی تاکید فرماتا ہو، اور بلوغ ہی نہیں بلکہ رشد کی بھی قید لگاتا ہو، اس کی نگاہوں میں نکاح — زوجین کا اپنی زندگیاں ایک دوسرے کے حوالے کرنا — اتنی حقیر اور مال سے بھی کم تر شے ہے کہ اس کے لیے رشد تو الگ رہا بلوغ کی بھی شرط نہ ہو؟ یا للعجب! ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ بلغوا النکاح فرما کر خدا نے کم سنی کی شادی کا سلسلہ ہی بند کر دیا ہے۔ خیر القرون میں کم سن لڑکیوں کی شادی اور پھر ان کو بیوہ کرنے کی مثال نہیں ملتی۔ اور اگر ملے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اس آیت کے نزول سے پہلے کی بات ہے (اس کی مزید تفصیلات آگے آتی ہیں)

دوسرا غلط استدلال

دوسری نص جس سے نابالغہ کی شادی پر استدلال کیا جاتا ہے یہ آیت قرآنی ہے:

وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم و امائکم ....

"اپنے (حر) بے زوجوں اور قابل شادی زیر دستوں (مرد و زن) کا نکاح کرا دو۔"

یہاں "نکاح کرا دو" کا مفہوم یہ ہے ہی نہیں کہ ان سے پوچھے یا اطلاع دیے بغیر جہاں چاہو نکاح کرا دو۔ اور اگر ان کی مرضی نہ ہو تو جبراً نکاح کرا دو۔ آیت کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ ان کے بیاہے جانے میں مدد دو۔ ان کی شادیوں کا سامان بہم پہنچاؤ۔ ایسے

Marfat.com

(جمع ایامی) کے معنی ہیں بے زوج۔ خواہ مرد ہو یا عورت، کنوارہ ہو یا رنڈوا اور عورت باکرہ ہو یا ثیبہ۔ مطلقہ ہو یا بیوہ۔ اس لیے اگر اس آیت سے نابالغہ کے جبری نکاح کی دلیل لائی جاسکتی ہے تو اسی آیت سے بالغ ثیبہ کا جبری نکاح بھی درست ہونا چاہیے حالانکہ ایک متنفس بھی اس کا قائل نہیں۔ پس انکاح کے معنی نہ جبری نکاح کرانے کے ہیں اور نہ "ایم" کے معنی صرف نابالغہ باکرہ کے ہیں۔ لہٰذا اس آیت سے نکاح نابالغہ اور وہ بھی جبری کا استدلال ہی صحیح نہیں۔

سیدہ عائشہ کی غلط مثال

اب صرف ایک بحث رہ جاتی ہے کہ سنت ـــــ خیر القرون کی اسلامی سوسائٹی ـــــ میں نکاحِ نابالغہ کی کوئی نظیر ملتی ہے یا نہیں۔ ہمیں کتب احادیث میں صرف ایک نظیر ملتی ہے جو اولاً تو واذا بلغوا النکاح سے پہلے کی ہے۔ اس کے علاوہ اب یہ حقیقت آئینے کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ یہ قصہ ہی غلط ہے۔ صحاح ستہ میں حضرت عائشہ کا بیان یوں ہے کہ: تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست وبنی بی وانا بنت تسع

"آنحضورؐ سے میری شادی چھ سال کی عمر میں اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی۔"

(کئی روایتوں میں چھ کی بجائے سات سال ہے) مگر یہ روایت کئی وجوہ سے محل نظر ہے۔

۱۔ سیدہ عائشہ صلوات اللہ علیہا کی شادی شوال ۱۰ نبوی میں ـــــ سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد ہوئی۔ اور رخصتی شوال ۲ھ میں ہوئی۔ اس نکاح اور رخصتی کے درمیان پورے پانچ سال کا وقفہ ہے۔ پس اگر نکاح کے وقت آپ کی عمر چھ یا سات سال تھی تو رخصتی کے وقت عمر گیارہ یا بارہ سال کی ہوگی نہ کہ نو سال کی۔ اگر رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی تو نکاح چار سال کی عمر میں ہونا چاہیے نہ کہ چھ یا سات کی عمر میں۔ پس یہ روایت اپنے اندر جو داخلی تضاد رکھتی ہے پہلے اس کا حل تلاش کر لیجیے۔

۲۔ جناب عائشہؓ سے آپ کی علاتی بہن حضرت اسماء (بنت ابی بکر الصدیق) دس سال بڑی تھیں اور حضرت اسماء ہجرت سے ۲۷ سال پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ لہٰذا ۲ھ میں انتیس ۲۹

Marfat.com

برس کی تھیں۔ لہٰذا حضرت عائشہؓ رخصتی کے وقت اُنیس ۱۹ سال کی ہوئیں۔

اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ

ولدت سنة ۲۷ قبل الهجرة وهی اکبر من اختها لابیها
عائشة ام المومنین بعشر سنین۔[۱]

"ہجرت سے ۲۷ سال پہلے پیدا ہوئی تھیں اور وہ اپنی علاتی بہن ام المومنین عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔"

خیر الدین زرکلی کی الاعلام ج ۱، ص ۲۹۸ میں ہے۔

ذات النطاقین (المتوفاة) سنة ۷۳ عاشت مائة سنة....

"ذات النطاقین (اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ) کا سنِ وفات ۷۳ھ ہے۔ اور وہ پورے سو سال زندہ رہیں۔"

دوسرے لفظوں میں حضرت اسماء کی عمر ۱ھ میں ۲۸/۲۹ سال کی اور حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۸/۱۹ سال ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ دوسرے دلائل بھی ہیں جس کا ہم نے مختلف مضامین میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ان میں کچھ کلام بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ بہ حال سیدہ عائشہ ام المومنینؓ کے متعلق نو سال کی عمر میں رخصتی کا واقعہ محض قیاسی اٹکل نہ ہوتا بلکہ دو اور دو چار کی طرح واضح ہوتا تو اس سے نکاحِ نابالغہ کے جواز پر استدلال صحیح ہوتا لیکن یہاں تو بالکل دو اور دو چار کی طرح واضح ہے کہ نو کا حساب ہی سرے سے غلط ہے۔ اب ہم اگر مسلسل "مکھی بہ مکھی" غلطی کا تجزیہ کریں تو یہ معلوم ہو گا کہ یا تو راوی سے عشرات (دہائیاں) حذف ہو گئے ہیں یا اختصارِ کلام کے لیے دہائیوں کے حذف کا دستور ہو گا۔ آج بھی جب ہم "۵۷ء کا جہادِ آزادی" بولتے ہیں تو اس سے مراد ۱۸۵۷ء ہوتا ہے اور جب ہم کہتے ہیں کہ ۴۷ء میں پاکستان بنا تو اس سے ۱۹۴۷ء ہی مراد لیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ دراصل تسع عشرة سنة (۱۹) ہے جسے اختصارِ کلام کے لئے صرف تسع کہہ دیا گیا ہے۔

---

[۱] اعلام النساء ج ۱، ص ۳۹

Marfat.com

غلط مثال کی دشواریاں

اور فرض کیجیے کہ پورے خیر القرون کی تاریخ میں کم سنی کی شادی کی صرف یہی ایک مثال، صحیح تسلیم کر بھی لی جائے تو کئی دشواریاں پیش آئیں گی۔ مثلاً:

۱۔ نکاح کا اصل فریق ولی نہیں بلکہ عورت ہے اور نکاح ایک ایسا مقدس شرعی معاہدہ ہے جو زن و مرد کے درمیان ازدواجی زندگی بسر کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ معاہدہ اس وقت درست ہو سکتا ہے جب دونوں عاقل و بالغ ہوں بلکہ ان میں اتنا "رشد" بھی ہو کہ وہ زندگی کے نشیب و فراز کو سمجھ سکیں اور اپنی پسند سے اپنا شریکِ زندگی منتخب کر سکیں۔ خود قرآن نے بھی اسے گاڑھا معاہدہ ہی قرار دیا ہے۔

واخذن منکم میثاقا غلیظا

ان عورتوں نے (نکاح کر کے) تم سے گاڑھا معاہدہ حاصل کیا ہے۔

ازدواج جیسی اہم ذمے داری کو سنبھالنے کے لیے اولیا بہتر رائے دے سکتے ہیں۔ ہر ممکن اعانت کر سکتے ہیں لیکن ردّ و قبول کا اختیار مرد کی طرح عورت کا بھی ایک پیدائشی حق ہے جو اسلام کا سب سے بڑا عطیہ ہے۔ اسے سلب کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ چار چھ سال کی بچّی کو ان تمام باتوں کا کیا شعور ہو سکتا ہے؟ تا آنکہ وہ عاقل و بالغ اور صاحبِ رُشد نہ ہو جائے۔

نکاح نہیں منگنی

یہ صحیح ہے کہ بعض مخصوص حالات میں ایک مشفق ولی اپنی نابالغ اولاد کا رشتہ جوڑنے کی آرزو کرتا ہے۔ اس وقت بچی "مشورہ" سمجھنے کے قابل نہیں ہوتی اور ولی کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ میری زندگی جلدی ہی ختم ہونے والی ہے اور میں اپنی زندگی میں رشتے کا اہتمام کر کے خوش خوش دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک بہتر رشتہ ہاتھ سے نکل جائے یا اسی قسم بعض اور مجبوریاں بھی ہو سکتی ہیں۔ ایسی تمام صورتوں میں ولی کو رشتہ جوڑنے کا حق ملنا چاہیے لیکن یہ وہی چیز ہے جسے عام عرف میں "منگنی" کہتے ہیں۔ یہ نکاح نہیں ہوتا صرف ایک خوش آئند وعدۂ نکاح ہوتا ہے اور فرض کیجیے ایسے موقع پر ہم اپنے فقہا کے کہنے کے مطابق نکاح کو تسلیم کر بھی لیں تو یہ ایسا نکاح نہیں ہوتا کہ اگر ولی مجبر کرائے تو ساری عمر کے لیے لڑکی

Marfat.com

کا حقِ فسخ سلب ہو جائے اور اگر غیر مجبر کرائے تو اسے مضحکہ خیز قسم کا ایسا حق فسخ حاصل ہو جو سلبِ حق سے بھی بدتر ہے۔ یعنی یا تو وہ پہلا قطرۂ خون دیکھتے ہی اسی آن گواہوں کے سامنے اعلان فسخ کر دے اور اس کے بعد بھی تصدیق قاضی کی محتاج رہے یا پھر جھوٹ بولے (جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے)۔ اگر پورے دفتر سنت کی ایک ــــ اور وہ بھی غلط ...... ۔نظیر سے کم سنی کے نکاح کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو اسے اتنا بے بس نہیں ہونا چاہیے کہ اپنی ہزار نفرتوں کے باوجود بالغہ ہو کر بھی اسے فسخ نہ کر سکے۔ آخر کتاب و سنت کی وہ کونسی نص ہے جس کی بنیاد پر ولی کے اتنے لامحدود اختیارات اور عورت کی اس درجہ بے لبسی و بے اختیاری کی عمارت کھڑی کی گئی ہے؟ نابالغی کے نکاح کے بعد اسے بالغ ہو کر رد و قبول کا وہی حق ملنا چاہیے جو قبل از نکاح ایک بالغہ کو حاصل ہوتا ہے۔ پھر کوئی ایسی نظیر بھی بتائیے کہ خیر القرون میں کسی نابالغہ کا نکاح اس کے ولی نے کرا دیا ہو تو اسے صرف یہ حق ملا ہو کہ پہلا قطرۂ خون دیکھتے ہی اسی آن گواہوں کے سامنے سچ یا جھوٹ بول کر اعلانِ فسخ کر دے۔ اس کے بعد بھی قاضی سے تصدیق کرائے ورنہ اسی طرح زنجیروں میں بے بس قیدی کی طرح جکڑی رہے۔ یہی وہ بے بنیاد فقہی مسئلہ ہے جس کی کورانہ تقلید نہ کرنے والا خارج از حنفیت یا خارج از دین ہو جاتا ہے؟

دوسری دشواری

دوسری خرابی جو سیّدہ عائشہ کی نو سال کی عمر میں رخصتی کی روایت صحیح ماننے سے پیدا ہوتی ہے یہ ہے کہ دنیا کی مقدس ترین ہستی کے متعلق ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ اپنی پہلی شادی تو اس (خدیجہؓ) سے کرے جو اس سے پندرہ سال بڑی اور چالیس کی ادھیڑ ہے۔ دوسری (سودہؓ) اس کی ہم عمر پچاس سال کی بڑھیا ہے لیکن تیسری ایسی جو نکاح کے وقت صرف چار یا چھ سال کی ہے اور بوقت رخصتی صرف نو سال کی نابالغہ۔ ہم تو یہ سوچنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے۔

ایک استثنائی واقعہ

یہ روایت دو اور دو پانچ کی طرح غلط ہونے کے باوجود اگر صحیح بھی مان لی جائے تو یہ

Marfat.com

ایک ایسی واحد اور استثنائی مثال ہے جو دوسرے مخصوص مستثنیات کی طرح ہمارے لیے ناواجب العمل اور انفرادی خصائص میں داخل ہے۔ اس کی ایک مثال سنیے۔

"عن عائشة قالت جاءت سھلة بنت سُھیل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ انی ارٰی فی وجہ ابی حذیفة الکراھیة من دخول سالم علیّ۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارضعیہ قالت کیف ارضعہ وھو رجل کبیر۔ فتبسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وقال قد علمت انہ رجل کبیر۔ ففعلت فاتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقالت ما رایت فی وجہ ابی حذیفة شیئاً اکرھہ[۲۱]۔

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ سہلہ بنت سہیل نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ سالم (میرا متبنیٰ) میرے پاس آتا ہے تو میں (اپنے شوہر) ابو حذیفہ کے چہرے پر ناگواری محسوس کرتی ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اس (متبنیٰ) کو دودھ پلا دو۔ بولی وہ تو وہ خاصا بڑا ہے اسے میں دودھ کیسے پلاؤں؟ حضورؐ مسکرائے اور فرمایا کہ مجھے علم ہے کہ وہ بڑا ہے۔ غرض سہلہ نے اسے دودھ پلا دیا۔ اس کے بعد حضورؐ کے پاس آکر کہا۔ اب ابو حذیفہ کے چہرے پر کوئی ناگواری کا اثر نہیں دیکھتی۔"

فرمائیے! حدیث میں ایک مثال یہ بھی موجود ہے کہ رضاعت کی حد سے گزرے ہوئے نوجوان کو دودھ پلا کر رضاعی فرزند بنا لیا گیا۔ تو کیا آج آپ بھی اس استثنائی واقعے کو سند بنا کر جس بڑے آدمی کو چاہیں رضاعی بیٹا بنا لیں گے؟

اختیار کا زمانی امتداد

یہاں ایک قابل غور نکتے پر بھی ذرا توجہ دیجیے۔ لاہور سے ایک شخص بالغ لڑکی سے اذن

---

[۲۱] سنن ابن ماجہ (باب رضاع الکبیر) و ابوداؤد۔ (کتاب النکاح) و مسلم (باب الرضاع) والنسائی (کتاب النکاح)

Marfat.com

لے کر کراچی جاتا ہے۔ دوسرے دن پہنچتا ہے اور تیسرے دن نکاح پڑھا دیتا ہے۔ وہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟ ضرور صحیح ہوگا لیکن نکاح سے ایک منٹ پہلے لڑکی خود پہنچ کر یا کسی ایلچی کے ہاتھ خط بھیج کر کہلوا دیتی ہے کہ مجھے یہ نکاح بالکل منظور نہیں۔ تو کیا علمی فقہ کی رو سے دنیا کی کوئی طاقت جبراً اس کا نکاح کرا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اذن دے چکنے کے بعد فسخ اذن کا حق کتنا ممتد ہوگیا۔ یہ دو دن کی مثال ہے اگر دو ماہ یا دو سال کا فاصلہ بھی (اذن اور نکاح کے درمیان) حائل ہو تو بھی بالغہ کا حق فسخ باقی رہے گا۔ یہ صحیح ہے کہ یہ فسخ نکاح نہیں کیونکہ نکاح تو ہوا ہی نہیں لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ "فسخ اذن" اس وقت تک ممتد رہے گا جب تک اس کا نکاح نہیں ہو جاتا۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ یہی حق اس بالغہ کو کیوں نہیں مل سکتا جس کا نکاح محل اذن بالغ ہونے سے پہلے ہی کرا دیا گیا ہے؟ بلوغ سے پہلے وہ اذن کا محل ہی نہیں تھی اس لیے بلا اذن اس کا نکاح ولی نے کرا دیا مگر یہ ولی اس لڑکی کا وہ حق کیسے طلب کر سکتا ہے جو در اصل اذن ہونے کی صورت میں اسے حاصل رہتا ہے؟ اور اگر ولی غیر مجبر کی صورت میں اسے پہلا قطرۂ خون دیکھتے ایک سیکنڈ کے لیے حق فسخ رہتا ہے تو یہ ایک سیکنڈ کا وقفہ کیا اس وقت تک ممتد نہیں ہو سکتا کہ وہ مذکورہ مثال کی طرح سوچ سمجھ کر قولاً یا عملاً فیصلہ کرنے کے قابل ہو جائے؟ اس "ایک سیکنڈ" کے لیے کون سی نص ہے؟ یہ زیادہ سے زیادہ ایک مجتہد اعظم کی اجتہادی و قیاسی رائے ہو سکتی ہے اور اس کی رائے اسی وقت تسلیم ہو سکتی ہے جب نقل و عقل سے اس کی تائید ہوتی ہو یا کم از کم تردید نہ ہوتی ہو۔ یہ تمام ادوار کے فقہا کا حق ہے کہ وہ اپنے معاشرے، اپنے عصری تقاضوں اور اپنے احوال و ظروف کے مطابق ایک مناسب "میعادِ رشد" مقرر کر دیں تاکہ صغیرہ کو بلوغ کے بعد اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ اس میں باکرہ و ثیبہ نیز ولی مجبر و غیر مجبر کا مناسب فرق بھی رکھ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور یہ تعین میعاد بھی صرف اس شکل میں ہے کہ کسی مجبوری سے نابالغہ کا نکاح کر دیا گیا ہو۔ ورنہ اصل قانون تو یہی ہونا چاہیے کہ نابالغ کے نکاح کا سلسلہ ہی روک دیا جائے کیونکہ اس کی کوئی تائید کتاب و سنت میں نہیں ملتی۔ بہر حال متوارث فقہ کی رعایت کرتے ہوئے پاکستان میں ایسا قانون ہونا چاہیے کہ چند ایسی مجبوریوں کا قانون میں ذکر کر دیا جائے جن کے ہوتے ہوئے کسی ذمہ دار عالم

Marfat.com

کی اجازت سے نابالغہ کا نکاح ہوا در بلوغ کے بعد رُشد آنے تک قانونی طور پر اس کی رضا یا عدم رضا معلوم کر لی جائے۔ یہ عجیب تماشہ ہے کہ ایک طرف مجلس قانون ساز کی رکنیت صدر مملکت کے انتخاب کے لیے یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ بالغوں کی آزاد رائے لی جائے۔ لیکن دوسری طرف "انتخاب شوہر" میں یہ جبر کہ نابالغہ بالغ ہو کر بھی کوئی رائے ظاہر کرنے کی مجاز نہیں۔ اور صرف غیر مجبر دلی کے کرائے ہوئے نکاح کے متعلق بلوغ کے بعد ایک سیکنڈ کے اندر فیصلہ دینے کی اجازت ہے وہ بھی دو گواہوں کے سامنے سچ یا جھوٹ بول کر اور وہ بھی تصدیق قاضی کے بعد۔

کیا اچھی مساوات ہے؟

یہ ہے اسلام کی عطا کردہ وہ حریت و مساواتِ مرد و زن جس کا ہر سٹیج پر وعظ کہا جاتا ہے۔ ہماری فقہی مساوات بین الزوجین یہ ہے کہ شوہر تین سیکنڈ میں دفعۃً تین طلاقیں[۱۳] دے کر گھر سے ہمیشہ کے لیے باہر نکال سکتا ہے۔ لیکن بیوی اگر جدا ہونا چاہے تو پہلے تو وہ یہ ثابت کرے کہ پہلا قطرۂ خون دیکھتے ہی فلاں فلاں گواہوں کے سامنے نکاح فسخ کر دیا تھا۔ ورنہ جھوٹ بول دے کہ میں نے ابھی علامت بلوغ دیکھی ہے۔ اور دروغ گوئی کی ہمت نہ ہو تو وہ عدالت کے چکر میں پڑے۔ اس کے بعد ثابت کرے کہ شوہر ایک سال سے عِنّین (نامرد) ہے اور علاج کے باوجود ایک بار بھی اس اثنا میں وظیفہ جنسی نہ ادا کر سکا۔ یا یہ ثابت کرے کہ وہ بہت مارتا پیٹتا ہے۔ ظلم کرتا ہے، نان نفقہ نہیں دیتا وغیرہ وغیرہ۔ پھر اپنا مہر واپس کرے۔ اس کے بعد چھٹکارا مل سکتا ہے۔ یہ ہے ہماری فقہی مساواتِ مرد و زن۔ "ھن لباس لکم و انتم لباس لھن" اور "ولھن مثل الذی علیھن" میں جو مساوات کی نعمت عطا کی گئی ہے اس کا یہ کتنا لاجواب مظاہرہ ہے۔ شوہر جدا ہونا چاہے

---

[۱۳] عہد نبوت اور دورِ صدیقی اور دو سال خلافتِ فاروقی میں بیک وقت تین طلاقیں رجعی تھیں۔ سیدنا عمرؓ نے ایک آرڈی ننس کے ذریعے اسے مغلظ قرار دیا۔ آرڈی ننس وقتی ہوتا ہے۔ لیکن ہماری چاروں فقہ نے اسے ازلی و ابدی بنا دیا۔ اس پر مفصل بحث میری کتاب "اجتہادی مسائل" میں ملاحظہ فرمایئے۔

Marfat.com

تو تین سیکنڈ کافی ہیں اور عورت کو عدالتی پیروی میں تین سال بھی لگ جائیں تو بھی مساوات میں کوئی فرق آتا۔ حالانکہ حدیثِ نبوی کی یہ نص موجود ہے کہ مرد کے برتاؤ اور دین و اخلاق وغیرہ میں کوئی نقص نہ ہو۔ جب بھی عورت صرف ناپسندیدگی کو جدا ہونے کی بنیاد بنا سکتی ہے اور عدالت مہر واپس دلا کر طلاق دلوا دے گی یا تفریق کرا دے گی۔

جنون کا نام خرد رکھ دیا

پابندیاں طلاق پر عائد کی گئی ہیں۔ (۱) طلاق احسن کا پسندیدہ ہونا (۲) بعث حکمین اور کوشش صلح (۳) ایک گھر میں سکونت (۴) نان و نفقہ کی ادائیگی (۵) حاملہ ہو تو فراغت تک کے اخراجات (۶) ولادت ہو تو سات سال تک حق حضانت دینا جس میں دودھ پلانے کی اجرت بھی شامل ہے۔ کتاب و سنت میں یہ تمام باتیں فوری جدائی میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے لیے ہیں لیکن ان سب کو ترک کر کے ہم تین سیکنڈ میں اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ اور عورت جدا ہونا چاہے تو اسے مہینوں کے چکر میں پھنسا دیتے ہیں۔ اس کے باوجود ہمارا دعوائے مساوات قائم رہتا ہے۔

خلاصۂ کلام

اوپر کی پوری بحث کا خلاصہ چند لفظوں میں یوں ہے کہ:

۱۔ ولی مجبر کی فقہی اصطلاح کتاب و سنت میں نہیں۔

۲۔ نابالغہ کو بیاہنے کا کوئی حکم کتاب و سنت میں ہے نہ خیر القرون کی تاریخ میں۔ اس لیے اسے قانوناً روک دینا چاہیے۔

۳۔ اُم المومنین سیدہ عائشہؓ کا نابالغی میں نکاح و رخصتی کا واقعہ محل نظر ہے۔

۴۔ تاہم بعض مجبوریوں میں نابالغی کے نکاح کی اجازت دینے میں حرج نہیں۔

۵۔ لیکن اسے بالغ ہونے کے بعد ایک مقررہ میعاد تک فسخ کا حق دینا چاہیے اس سے اسلام میں کوئی فرق نہیں آتا۔

۶۔ ہماری فقہ میں مرد تو چند سیکنڈ میں طلاق دے کر چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے لیکن عورت چھٹکارا حاصل کرنا چاہے تو قاضی کی محتاج رہتی ہے۔ نکاح، طلاق، خلع اور تمام متعلقہ

Marfat.com

عائلی معاملات دراصل قضا سے متعلق ہیں اس لیے عورتوں کی طرح مردوں کو بھی ان معاملات میں عدالت ہی کے فیصلوں کا پابند ہونا چاہیے۔

مسلکِ شافعیہ

الگ زاویہ نگاہ

شوافع کے نزدیک ولی مجبر صرف باپ یا دادا ہوتا ہے[۱۴]۔ ان کے نزدیک بھی ولی مجبر کا کرایا ہوا نکاح ناقابل فسخ ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں اجبار کی علت نابالغی ہے اور شافعیہ کے نزدیک بکارت ہے۔ یعنی حنفیہ کے ہاں لڑکی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اگر وہ نابالغہ ہے تو ولی کو چاہیے کہ اس سے پوچھے اور اطلاع دیے بغیر ہی جہاں چاہے بیاہ دے اور شافعیہ کے نزدیک لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ اگر وہ باکرہ ہے تو اس کی مرضی کے بغیر ولی مجبر جہاں چاہے بیاہ سکتا ہے۔ لیکن ثیبہ ہے تو خواہ نابالغہ ہی کیوں نہ ہو اس کی مرضی کے بغیر اسے کہیں بھی نہیں بیاہا جا سکتا۔

شرح وقایہ صفحہ ۱۳۱ کی عبارت ملاحظہ ہو:۔

اعلم ان ولایۃ الاجبار ثابتۃ علی الصغیر دون البالغۃ عندنا وعند الشافعی ثابتۃ علی البکر دون الثیب۔

لاہم حنفیوں کے نزدیک بالغہ پر جبری ولایت نہیں صرف نابالغہ پر ہے اور شافعیوں کے نزدیک باکرہ پر جبری ولایت ہوگی[۱۵] ثیبہ پر نہیں ہوگی۔

صحتِ نکاح

ہاں شافعیوں کے ہاں اگر ولی مجبر نابالغہ کا نکاح کرادے تو یہ نکاح اس وقت صحیح ہوگا جب:

۱۔ زوج لڑکی کا کفو ہو۔

---

۱۴ امام مالک کے نزدیک ولی مجبر صرف باپ ہوتا ہے (ملاحظہ ہو ہدایہ مجتبائی ص ۲۹۶)

۱۵ مالکیہ کے ہاں باپ باکرہ کا ولی مجبر ہوتا ہے خواہ وہ کمسن ہو یا بالغہ عاقلہ (ملاحظہ ہو الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۴ ص ۳۳)

Marfat.com

۲- اتنا صاحب حیثیت ہو کہ مہر ادا کر سکے۔
۳- ولی اور اس کی بچی کے درمیان کوئی ظاہری یا باطنی عداوت نہ ہو۔
۴- زوج اور اس کی بچی کے درمیان بھی کوئی ظاہری عناد نہ ہو اور شوہر اس کے تنفر یا کسی برے سلوک کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ [۱۶]

اگر ان چاروں شرطوں میں سے ایک شرط کا بھی فقدان ہو تو وہ نکاح ہی درست نہ ہو گا۔ [۱۷]

یا اِس سرے یا اُس سرے

شافعیہ ایک پہلو میں تو حنفیہ سے زیادہ ترقی پسند ہیں کہ ان کے نزدیک ولی مجبر اگر نابالغہ کا نکاح کرادے تو جب تک مذکورہ بالا چار شرطیں پوری نہ ہوں وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہو گا۔ لیکن دوسرے پہلو سے ان کا مسلک ایسا ہے جو حنفیہ سے بہت پیچھے ہے۔ نقلاً بھی اور عقلاً بھی۔ حنفیہ کے نزدیک اجبار کی علّت کم سنی ہے۔ یہ بات تو سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ صغیرہ قوت فیصلہ نہیں رکھتی اور باپ دادا سے یہی توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اس کے بھلے کا کام کریں گے۔ لیکن شافعیہ کے نزدیک علّت اجبار بکارت ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر پانچ یا چھ سال کی بچی کی جان کو خطرے میں ڈال کر اس کا بوالہوس شوہر ثیبہ کر ڈالے پھر طلاق دے دے یا مر جائے تو صرف اتنی سی بات سے وہ بچی صاحب عقل و دانش اور قوتِ فیصلہ کی مالک بن جائے گی اور ولی کو جبر کا اختیار نہیں رہے گا لیکن اگر وہ باکرہ ہے تو خواہ پچیس سال کی ہو اور ڈبل ایم۔ اے ہو وہ بے عقل ہی شمار ہو گی۔ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے حق سے محروم رہے گی۔ ولی اس سے پوچھے بغیر اسے جہاں چاہے بیاہ دے۔ اُسے جانا پڑے گا۔ وہ رشتہ اسے کتنا ہی ناپسند ہو مگر اُسے مجالِ دم زدن نہیں ہو گی۔

احادیث کیا کہتی ہیں

یہ تو عقل کی باتیں ہوئیں۔ اگر آپ یہ فرما کر ہمیں خاموش کرنا چاہیں کہ دین کے معاملے

---

[۱۶] باطنی عناد کا علم تو خدا ہی کو ہو سکتا ہے اس لیے اگر یہ نہ ہو تو نکاح درست ہو گا لیکن اس سے پہلے نمبر ۳ میں جو باطنی عداوت کا ذکر ہے اس کا پتہ کیسے چلے گا؟

[۱۷] الفقہ علی المذاہب الاربعہ مطبوعہ مصر ۱۹۳۹ء جلد ۴ ص ۳۵)

Marfat.com

میں عقل کو دخل نہیں تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس مسلک کو نقل کی کسوٹی پر بھی کس لیا جائے؟ ہم آپ کا تھوڑا سا وقت اور لینا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد فیصلہ آپ خود کر لیجیے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:-

۱- ان جارية بكراً اتت النبي صلى الله عليه وسلم فذكرت ان اباها زوجها وهي كارهة فخيرها النبي صلى الله عليه وسلم۔ (ابوداؤد) "باب في البكر يزوجها ابوها ولا يستأمرها" ابن ماجه (باب من زوج ابنته وهي كارهة۔ نسائی باب۔ بیہقی (باب ما جاء في انكاح الآباء الابكار۔ احمد (في مسنده) خطيب بغدادی (في تاريخه) ابن القطان في كتابه۔ دارقطنی ص ۳۸۷۔ وغيرهم عن ابن عباس وابن عمر وجابر وعائشة وجبير بن مطعم ونافع)

"یعنی ایک باکرہ حضورؐ کے پاس آئی اور کہا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے اور وہ اسے ناپسند کرتی ہے۔ تو حضورؐ نے اسے اختیار دے دیا (کہ وہ خواہ اس نکاح کو باقی رکھے یا فسخ کر دے)"

۲- قال رسول الله صلى الله عليه وسلم البكر تستأمر في نفسها واذنها صماتها (مسلم۔ باب استئذان الثيب في النكاح والبكر في السكوت عن ابن عباس)

"حضورؐ نے فرمایا کہ باکرہ سے اس کے بارے میں مشورہ کر لیا جائے اور اس کی خاموشی اجازت ہے۔"

۳- ان رجلا زوج ابنته وهي بكر من غير امرها فاتت النبي صلى الله عليه وسلم ففرق بينهما (دارقطنی ص ۳۸۷ عن جابر)

"ایک شخص نے اپنی باکرہ لڑکی کا نکاح اس سے پوچھے بغیر ہی کر دیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں (میاں بیوی)

۱۲۳۸۹۲

Marfat.com

میں تفریق کرادی"۔

۴۔ ان رجلا زوج ابنتہ بکرا فکرھت ذٰلک فرد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نکاحھا (دارقطنی ص ۳۸۸ عن ابن عمر)

ایک شخص نے اپنی باکرہ لڑکی کا نکاح کر دیا جسے اس نے ناپسند کیا تو حضورؐ نے اس کا نکاح رد کر دیا۔

۵۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینتزع النساء من ازواجھن ثیبا وابکارا بعد ان یزوجھن الآباء اذا کرھن ذٰلک۔ (دارقطنی ص ۳۸۵ عن ابن عمر)

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کو شوہروں سے الگ فرما دیا کرتے تھے خواہ وہ ثیبہ ہوں یا باکرہ جن کا نکاح ان کے باپ کر دیتے اور وہ اسے ناپسند کریں۔

۶۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ردّ نکاح بکر و ثیب انکحھا ابوھا وھما کارھتان فرد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نکاحھا (دارقطنی عن ابن عباس)

حضورؐ باکرہ اور ثیبہ دونوں ہی کے نکاحوں کو رد فرما دیتے تھے جن کو ان کے باپوں نے کروایا ہو اور وہ اسے پسند نہ کرتی ہوں۔

۷۔ جاءت فتاۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ان ابی زوجنی ابن اخیہ لیرفع بی خسیستہ فجعل الامر الیھا۔ فقالت انی قد اجزت ما صنع ابی ولکن اردت ان تعلم النساء ان لیس الی الآباء من الامر شئی (نسائی باب البکر یزوجھا ابوھا وھی کارھۃ عن عائشۃ وابن ماجہ فی کتاب النکاح)

ایک جوان عورت نے حضورؐ کے پاس آکر کہا کہ یا رسول اللہ میرے باپ نے اپنے برادر زادے سے میرا نکاح کرا دیا ہے تاکہ میرے ذریعے اس کی کمتری دور کرے تو

Marfat.com

حضورؐ نے اس کا اختیار اسی کو دے دیا۔ پھر اس نے کہا کہ اب میں اپنے باپ کے کام کو قبول کرتی ہوں۔ میں تو یہ چاہتی تھی کہ عورتوں کو علم ہو جائے کہ باپوں کو اس معاملے میں کوئی دخل یا اختیار نہیں "

۸۔ الثیب احق بنفسھا من ولیھا والبکر یستأمرھا ابوھا فی نفسھا (مسلم باب استیذان الثیب فی النکاح عن ابن عباس)

ثیبہ اپنی ذات کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے۔ اور باکرہ کے بارے میں اس کا باپ مشورہ لے۔

۹۔ الایم احق بنفسھا والبکر تستأذن (ایضاً)

بے ندج ثیبہ اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے اور باکرہ سے اذن لیا جائے گا

۱۰۔ لا تنکح الایم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن

(صحاح فی النکاح عن عدۃ صحابہ)

بالغہ ثیبہ کا نکاح بغیر مشورے کے اور باکرہ کا بغیر اذن کے نہ کیا جائے۔

تلک عشرۃ کاملۃ یہ وہ ارشادات نبوی ہیں جو مختلف کتب احادیث میں مختلف اسنادسے مختلف صحابہ کی زبانی اور مختلف الفاظ میں بیان ہوئے ہیں اور سب کا مفہوم ایک ہی ہے کہ بلا اجازت باپ بھی (ثیبہ بالغہ تو الگ رہی) باکرہ بالغہ کا بھی نکاح نہ کرائے۔ حنفیہ نے اپنی فقہ میں اس کا پورا لحاظ رکھا ہے اور وہ بالغہ باکرہ کے بلا اذن نکاح کے بالکل قائل نہیں۔ لیکن شافعیہ نے ان تمام روایات کو کیوں نظر انداز کر دیا اور ہر باکرہ ـــــ خواہ نابالغ ہو یا بالغ ـــــ کے لیے بلا اذن جبراً نکاح کو کس طرح ولی (باپ) کے لیے جائز قرار دیا یہ ہمارے ناقص فہم سے بالاتر ہے۔ ثیبہ کتنی ہی خُرد سال ہو اس کا اذن ضروری اور باکرہ کتنی ہی سن رسیدہ ہو اس کی مرضی کے خلاف جبری نکاح بھی ناقابلِ فسخ۔ یا للعجب۔

دوسرے مجتہدین کیا کہتے ہیں؟

اوپر جو دس روایتیں نقل کی گئی ہیں ان میں بعض مرسل ہیں اور بعض متصل اور بعض اسناد کے راوی مجروح یا مجہول بھی ہیں۔ ہم نے ان بحثوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ امام زیلعی کی

Marfat.com

نصب الرایہ کی کتاب النکاح میں یہ تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔ بہرکیف ان روایات سے بعض ائمہ جس نتیجے پر پہنچے ہیں ان کی ایک جھلک یہاں بھی دیکھ لیجیے۔ جو ہم بغیۃ الالمعی فی تخریج الزیلعی سے نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو!

۱۔ ابن الترکمانی الجوھر النقی علی ہامش سنن البیہقی ج ۷، ص ۱۱۴ میں کہتے ہیں: قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا تنکح البکر حتی تستاذن دلیل علی ان البکر البالغۃ لا یجبرھا ابوھا ولا غیرہ۔

حضورؐ کا یہ ارشاد کہ "بلا اذن" باکرہ بالغہ کا نکاح نہ کیا جائے اس بات کی دلیل ہے کہ بالغہ باکرہ کو نہ اس کا باپ مجبور کر سکتا ہے۔ نہ کوئی دوسرا۔

۲۔ ابن منذر لکھتے ہیں:

ثبت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "لا تنکح البکر حتی تستاذن وھو قول عام وکل من عقد علی خلاف ما شرع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھو باطل ولیس لاحد ان یستثنی من السنۃ الا مثلہا فلما ثبت ان ابا بکر الصدیق زوج عائشۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی صغیرۃ لا امر لھا کان ذلک مستثنی منہ۔

یہ ثابت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ باکرہ کا بلا اذن نکاح نہ کیا جائے۔ یہ عام فرمان ہے اور جو حضور کی مشروع کردہ بات کے خلاف حکم لگاتا ہے وہ باطل ہے اور کسی کو یہ حق نہیں کہ اس سنت میں کوئی استثنا پیدا کرے بجز اس چیز کے جو ویسی ہی دوسری سنت میں موجود ہو۔ جب یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عائشہؓ کو کم سنی میں جب کہ ان کا کوئی اختیار نہ تھا حضورؐ سے بیاہ دیا تو یہ اس (عام سنت) سے مستثنیٰ ہوگا۔

۳۔ خود صاحب بغیۃ الالمعی اس کے بعد کہتے ہیں:

وقولہ علیہ السلام فی حدیث ابن عباس ان جاریۃ بکرا اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت لہ ان اباھا زوجھا وھی

Marfat.com

انکار ھذا الحدیث فترک الشافعی منطوق ھذہ الادلۃ واستدل بمفھوم حدیث الثیب احق بنفسھا وقال ھذا یدل علی ان البکر بخلافھا وقال ابن رشد العموم اولی من المفھوم بلاخلاف لاسیما وفی حدیث مسلم: البکر یستامرھا ابوھا وھو نص فی موضع الخلاف۔ وقال ابن حزم منعلم لمن اجاز علی البکر البالغۃ نکاح ابیھا لھا بغیر امرھا متعلقا اصلا۔ وذھب ابن جریر ایضاً الی ان البکر البالغۃ لا یجبرھا واجاب عن حدیث الایم احق بنفسھا بان الایم من لا زوج لہ رجلا او امرأۃ بکراً او ثیباً لقولہ تعالی وانکحوا الایامی منکم والصالحین الخ۔ وکرر ذکر البکر لقولہ: والبکر تستاذن واذنھا صماتھا ففرق بین الاذنین اذن الثیب واذن البکر ومن قال الایم بالبکر خطاء فی تاویلہ وخالف سلف الامۃ ومخالفھا فی اجازتھم لوالد الصغیرۃ تزویجھا بکراً کانت او ثیباً من غیر خلاف۔ وفی التمھید۔ ملخص۔ قال ابو حنیفۃ واصحابہ والثوری والاوزاعی والحسن بن حی وابو ثور وابو عبید: لا یجوز للاب ان یزوج بنتہ البالغۃ بکراً او ثیباً الا باذنھا۔ وکالایم التی لا زوج ابن بکراً او ثیباً لحدیث: الایم احق بنفسھا وحدیث: لا تنکح البکر حتی تستاذن علی عمومھا وخص منھا الصغیرۃ لقصۃ عائشہؓ۔

"ابن عباس کی بیان کردہ حدیث نبوی ہے کہ ایک باکرہ نے آکر حضورؐ سے شکایت کی کہ میرے باپ نے میری ناپسندیدگی کے باوجود میرا نکاح کرا دیا الخ اور اسی مضمون کی دوسری حدیثوں کے منطوق کو چھوڑ کر امام شافعی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ثیب اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ باکرہ ثیب سے الگ چیز ہے۔ ابن رشد کا کہنا ہے کہ عموم کو بلا اختلاف مفہوم پر ترجیح حاصل ہے۔ خصوصاً جبکہ مسلم کی یہ حدیث موجود ہے کہ باکرہ سے اس کا باپ مشورہ کرے۔ اس اختلاف کے موقع

۱۸ھ نصب الرایۃ ج ۳ ص ۱۹۵۔ طبع ۱۳۵۷ھ ۔ ۱۹۳۸ء

پر یہ حدیث نص ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ جو شخص باکرہ بالغہ سے اذن لیے بغیر باپ کے بیے اس کا نکاح کرادینے کو جائز کہتا ہے اس کی تائید میں مجھے کسی دلیل کا علم نہیں۔ ابن جریر بھی اس طرف گئے ہیں کہ، باکرہ بالغہ پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔ وہ "الثیب احق بنفسھا (ثیبہ اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے) کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ایم کہتے ہیں بے زوج کو۔ وہ مرد ہو یا عورت باکرہ ہو یا ثیبہ۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے، وانکحوا الایامیٰ منکم (اپنے بے زوجوں کا نکاح کرادو) حضورؐ نے جو آگے پھر مزید فرمایا کہ (باکرہ سے اذن لے لیا جائے اور خاموشی اس کا اذن ہے۔ وہ ثیب اور باکرہ کے اذنوں میں فرق پیدا کرنے کے لیے ہے۔ اور جو ایم کے معنی ثیب کے لیتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ اور سلف امت اور خلف امت کی مخالفت کرتا ہے۔ جنھوں نے بلا اختلاف نابالغہ کا نکاح کرادینے کی باپ کو اجازت دی ہے۔ خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ "تمہید" میں ہے کہ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، ثوری اور اوزاعی، حسن بن حی، ابو ثور اور ابو عبیدہ سب کے سب یہ کہتے ہیں کہ باپ کا اپنی باکرہ یا ثیبہ لڑکی کو جو بالغہ ہو بلا اذن بیاہنا جائز ہی نہیں۔ ایم وہ عورت ہے جس کا کوئی شوہر نہ ہو خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ لہٰذا حدیث الایم احق بنفسھا اور حدیث لاتنکح البکر حتیٰ تستأذن دونوں اپنے اپنے عموم پر ہیں۔ جن میں سے نابالغہ کو نکاح عائشہؓ کی وجہ سے خاص کر لیا گیا ہے۔"

کم سن محل اذن ہی نہیں

نکاح عائشہؓ کا جو ذکر اس عبارت میں موجود ہے اس کا ہم اوپر تجزیہ کر چکے ہیں۔ یہاں سے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا اس مفروضے پر نکاح صغیرہ سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ ساری تاریخ میں نکاح صغیرہ کی یہی دلیل رہ گئی ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ یہاں ہم نے یہ عبارت صرف اس لیے پیش کی ہے کہ باکرہ بالغہ کا حق اذن سلب کرنے کا جو اجتہادی تسامح امام شافعی سے ہوا ہے۔ اس کے خلاف رائے رکھنے میں ہم تنہا نہیں۔ سلف سے خلف تک کے مجتہدین کا انبوہ عظیم ہمارے ساتھ ہے۔ اور اگر یہ نہ بھی ہوتا تو روایات واحادیث کی پوری فوج کیا کم تھی؟ بہرحال حنفیہ کے ہاں تو صرف نابالغہ کا اذن سلب

Marfat.com

کیا گیا ہے کیونکہ وہ محل اذن ہی نہیں لیکن شافعیہ نے تو باکرہ بالغہ کا بھی حق اذن ختم کر دیا ہے۔ صرف اس جرم میں کہ وہ ثیبہ کیوں نہیں اور اس کے ساتھ ساتھ نابالغہ ثیبہ کو محل اذن نہ ہونے کے باوجود حق اذن بخش دیا ہے۔ صرف اس خوشی میں کہ وہ ثیبہ ہو چکی ہے۔ مگر نابالغ باکرہ کو اس حق سے محروم کرنے میں دونوں شریک ہیں۔ بالغ ہو چکنے کے بعد بھی دونوں کے نزدیک اس غریب کا جبری نکاح ناقابل فسخ ہے اگر باپ نے کرا دیا ہو۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نابالغہ کا نکاح کوئی نکاح ہی نہیں۔ تا وقتیکہ وہ بالغ و راشد ہو کر قولاً یا عملاً اپنی رضامندی نہ دے دے۔ کیا ہم توقع رکھیں کہ ہمارے دور کے علما و فقہا اس مسئلے پر از سر نو غور کر کے کسی نتیجے پر پہنچنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے؟

ذرا ٹھہریئے!

ہاں ابھی ذرا ٹھہریئے۔ جلدی نہ کیجیے۔ ہم جو کچھ اوپر عرض کر چکے ہیں۔ اس میں آپ کو کئی طرح کے شکوک پیدا ہو رہے ہوں گے اور یہ شبہ ہو رہا ہو گا کہ ہم نے بہت سی باتیں اپنے دل سے گھڑ کر اور رائج الوقت تقلید سے ہٹ کر کہی ہیں۔ اچھا تو سب سے پہلے ایک فتوئی سن لیجیے۔ یہ فتوئی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت فرماتے ہیں۔

عرضنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد فی القتال و انا ابن اربع عشرۃ سنۃ فلم یجزنی و عرضنی یوم الخندق وانا ابن خمس عشرۃ سنۃ فاجازنی ـ قال نافع فقدمت علی عمر بن عبد العزیز وھو یومئذ خلیفۃ فحدثتہ ھذا الحدیث فقال: ان ھذا لحد بین الصغیر والکبیر۔ فکتب الی عمالہ ان یفرضوا لمن کان ابن خمس عشرۃ سنۃ ـ ومن کان دون ذلک فاجعلوہ فی العیال[۱۹]

(حضورؐ نے جنگ احد کے موقع پر میرا جائزہ لیا جبکہ میں چودہ سال کا تھا اور مجھے اجازت

---

۱۹ مسلم۔ قسم اول جزو ثانی، ص ۲۱۵ باب بیان سن البلوغ)

Marfat.com

نہ دی۔ اور غزوۂ خندق کے موقع پر میرا جائزہ لیا تو میں پندرہ سال کا تھا لہذا مجھے اجازت مرحمت فرما دی۔ نافع کہتے ہیں کہ میں عمر بن عبدالعزیز کے پاس گیا اور وہ اس وقت خلیفہ تھے۔ ان سے یہ حدیث بیان کی تو انھوں نے فرمایا کہ: یہ صغیر اور کبیر کی درمیانی حد ہے۔ پھر اپنے عمال کو لکھ بھیجا کہ اسے بالغ سمجھو جو پندرہ سال کا ہو اور جو اس سے کم ہو اسے عیال میں شمار کرو)۔

گویا پندرہ سال بلوغ کی کم سے کم مدت ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم اوپر وضاحت کر چکے ہیں کہ نکاح کے لیے محض بالغ ہو جانا کافی نہیں۔ اس کے لیے "رشد" بھی ہونا چاہیے۔ اسی لیے اس معاملے میں ائمہ نے مختلف عمریں معین کی ہیں۔ مثلاً:

امام ابن شُبرمہ اور ابوبکر اصم

.... بخلاف ما یقول ابن شبرمۃ و ابوبکر الاصم انہ لا یزوج الصغیر و الصغیرۃ حتی یبلغا لقولہ تعالی "حتی اذا بلغوا النکاح" فلو جاز التزویج قبل البلوغ لم یکن لھذا فائدۃ[۲۰]

بخلاف اس کے جو ابن شبرمہ اور ابوبکر اصم کہتے ہیں کہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے "حتی اذا بلغوا النکاح" (جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں یعنی بالغ ہو جائیں) پس اگر بلوغ سے پہلے ہی نکاح جائز ہوتا تو اس ارشاد کا کوئی فائدہ ہی نہ تھا۔

امام ابن حزم

لا یجوز للاب ولا لغیرہ انکاح الصغیر الذکر حتی یبلغ فان فعل فھو منسوخ ابدا

باپ ہو یا اور کوئی، نابالغ لڑکے کا نکاح کرانا اس وقت تک اس کے لیے جائز نہیں جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔ اور اگر ایسا کیا تو یہ نکاح ہمیشہ منسوخ ہو گا۔

ہمارا نکتہ نواز صرف یہ ہے کہ امام ابن حزم کے فتوے میں صغیر کے ساتھ صغیرہ کا اضافہ کر کے امام ابن شبرمہ اور امام ابوبکر اصم کی صف میں لانا چاہتے ہیں۔ امام ابن شبرمہ اور

۲۰۔ المبسوط للسرخسی، جلد ۴، ص ۲۱۲۔

Marfat.com

کوفے کے قاضی رہ چکے ہیں اور امام ابوحنیفہ کے متوازی ان کے فتوے چلتے تھے۔ فتوے میں ضرب المثل تھے۔ حضرت انسؓ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ ۱۴۴ھ میں وفات پائی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت نکاح و رخصتی سے یہ ناواقف تھے۔

۱۳۴۲ھ میں مصر کے تمام علما کی متفقہ رائے سے امام ابن شبرمہ ہی کے مذہب کے مطابق وہاں ان کے قانون کی دفعہ ۶۰ نافذ ہوئی جس کی رو سے شادی کی عمر لڑکے کے لیے اٹھارہ سال اور لڑکی کے لیے سولہ سال مقرر ہوئی[۱۲]

امام ابوحنیفہ اور سن بلوغ

اور امام ابوحنیفہؒ (شادی کے لیے نہ سہی) مگر بلوغ کی جو عمر مانتے ہیں، وہ یوں ہے:۔

اما بنوغ عهما بالسن فقد رذى ابوحنیفة رحمه الله فى الجارية لسبع عشرة سنة و فى الغلام بتسع عشرة سنة[۲۲]۔

عینی شرح بخاری میں امام ابوحنیفہ کی رائے کے بعد شافعی اور دوسرے ائمہ کی رائے یوں لکھتے ہیں:۔

واشتبره خمس عشرة سنة فى الذكور والاناث ومذهب ابى يوسف ومحمد لمذهب الشافعى وبه قال الاوزاعى وابن وهب والماجشون۔

یعنی شافعی، ابویوسف، محمد، اوزاعی، ابن وہب اور ماجشون مرد و زن دونوں کے لیے عمر بلوغ پندرہ سال مانتے ہیں[۲۳]

یعنی امام ابوحنیفہؒ بلوغ کی عمر لڑکی کے لیے سترہ سال اور لڑکے کے لیے انیس سال سمجھتے ہیں۔ مبسوط کی ایک روایت سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ امام اعظم بلوغ کے لیے پہلے مادۂ تولید یا پہلے قطرۂ خون کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کے پیش نظر بلوغ جسمانی کی بجائے بلوغ عقلی تھا۔ پس صحیح مسلک حنفی یہ ہے کہ عورت کو سترہ سال ختم ہونے کے بعد بالغہ تسلیم کیا جائے خواہ وہ بارہ ہی سال میں قطرۂ خون کیوں نہ دیکھ لے۔

اختتام بحث

ہماری آخری رائے اس معاملے میں یہی ہے کہ اولاً تو نابالغی کی شادی قانوناً ممنوع

---

[۲۱] تاریخ القضاء فی الاسلام [۲۲] مبسوط ج ۸ ص ۵۳، ایضا عمدۃ القاری للعینی ج ۶، ص ۳۷۳ [۲۳] ایضاً: ص ۳۰۴، ج ۶۔

Marfat.com

ہونی چاہیے۔ کیونکہ مآخذ شریعت میں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ لیکن بعض شدید مجبوریوں یا ضرورتوں کے لیے جن کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، کم سنی کی شادی کی اگر اجازت دی جائے تو خیار فسخ کے لیے بلوغ کی وہ عمر رکھنی چاہیے جو امام اعظم ابوحنیفہؒ نے رکھی ہے یعنی سترہ سال (یا مسلک امام ابن شبرمہ کے مطابق سولہ سال) اس طرح حنفی مسلک مجروح نہ ہوگا۔ ہمارے حنفی علما نے تو کئی مسئلوں میں حنفی مسلک کو چھوڑ کر دوسرے مسلکوں کو قبول کر لیا ہے۔ اور انھیں کے مطابق فتوے دیتے ہیں جب اس سے ان کی حنفیت میں کوئی فرق نہیں آتا تو اس مسلک کو قبول کرنے میں حنفیت کا کیا نقصان ہوگا جس کی گنجائش خود امام اعظم کے قول میں موجود ہے۔

مسلکِ مالکیہ

مالکیہ کے ہاں ولی مجبر صرف باپ ہوتا ہے یا اس کا وصی یا حاکم وقت۔

ومثل الاب الوصی والحاکم[۲۴]

نیز مالکی مسلک میں ولی مجبر عاقل بالغ لڑکی کا بھی مجبر ہے۔ اگر وہ باکرہ ہے جیسا کہ اس عبارت سے واضح ہے:

یختص ایضا یجبر الکبیرۃ البالغۃ العاقلۃ اذا کانت بکرا[۲۵]

لیکن غیر مجبر ولی کسی حالت میں بھی نکاح کرانے کا اختیار نہیں رکھتا اور اگر وہ بالغ کا نکاح کرادے تو خواہ دخول بھی ہو چکا ہو اور کتنا ہی وقت گزر چکا ہو اسے فسخ کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے:

اما الولی غیر المجبر فلیس له تزویج هؤلاء علی ای حال علی المشهور فان فعل یفسخ النکاح مطلقا، لو دخل وطال الزمن وقیل لا یفسخ بعد الدخول وطول الزمن[۲۶]

نیز ولی غیر مجبر ان کا نکاح اذن کے بغیر کرا ہی نہیں سکتا۔ نابالغہ کا اذن چونکہ معتبر نہیں اس لیے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔ اس کا نکاح ہی نہیں ہوگا۔

---

۲۴ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، ص ۳۳۔ ۲۵ ایضاً ۲۶ ایضاً۔ ص ۳۴

Marfat.com

نیز یہ عبارت بھی ملاحظہ ہو،

ویختص الولی غیر المجبر بتزویج من علیہا الولایۃ باذنہا ورضاھا اذا کانت کبیرۃ عاقلۃ ۔ فلیس لہ ایضا ان یزوج الصغیرۃ ومن فی حکمہا مطلقا لانہ لیس لہ حق التزویج الا اذا استأذن ورضیت ۔ والصغیرۃ لا یعتبر اذنہا فتبقی بلا زوج حتی تبلغ ۔[۵۲]

یعنی غیر مجبر ولی اپنی ولایت کے زیرِ اثر جس بڑی عاقلہ کو بیاہے گا وہ اس کی اجازت اور رضامندی سے بیاہے گا ۔ لہذا اسے نابالغہ یا نابالغہ کے حکم میں آنے والی کسی لڑکی کو بیاہنے کا مطلقاً کوئی اختیار نہیں کیونکہ اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر بیاہنے کا کوئی حق ہی نہیں لہذا وہ بالغ ہونے تک بے زوج رہے گی ۔

ہماری گزارش یہ ہے کہ ولی مجبر کو بھی نابالغہ کو بیاہنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے ۔ اور اگر وہ کسی مجبوری سے ایسا کرے تو اسے بالغہ ہونے کے بعد ایک معقول عرصے تک حق فسخ ہونا چاہیے اور اس کے لیے اس مدت سے آگے جانے کی ضرورت نہیں ۔ جو بلوغ کے لیے امام ابوحنیفہؒ یا امام ابن شبرمہؒ نے مقرر کی ہے جیسا کہ ہم ابھی بتا آئے ہیں ۔

مسلکِ حنبلی

حنبلیوں کے ہاں باپ بلا اذن نکاح کرا سکتا ہے مگر اس لڑکی کا جو باکرہ ہو خواہ بالغہ ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر ثیبہ ہو تو نو سال سے کم کی ہو ۔ اگر ثیبہ نو سال یا اس سے زیادہ کی ہو تو بلا اذن ورضا وہ جبراً اس کا نکاح نہیں کرا سکتا ۔ ملاحظہ ہو یہ عبارت :

ویختص الولی المجبر باجبار غیر المکلف ۔ وھی الصغیر بکرا کانت او ثیبا وھی من کانت دون تسع سنین اما التی لھا تسع سنین وکانت ثیبا فلیس علیہا جبر لان اذنہا معتبر فلا بد من اذنہا

---

[۵۲] الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ، ج ۴، ص ۳۳

ویختص ایضا باجبار البکر البالغة عاقلة کانت او مجنونة ۔ فللاب ان یزوجهن بدون اذنهن و رضاهن لمن یشاء الا لمن به عیب یجعل لها حق خیار الفسخ کان یکون مجبوبًا او عنّینا ..... اما للثیب البالغة او التی لها تسع سنین فانه لا یصح تزوجها بدون اذنها و رضاها ...... و اما الولی غیر المجبر فلیس له ان یزوج من له علیها الولایة الا باذنها و[۲۸] ...... الخ

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ حنبلیوں کے ہاں اجبار کی علت کمسنی نہیں بلکہ بکارت ہے ۔ اس میں حنبلی مسلک شافعی مسلک سے ملتا ہے ۔ فرق صرف یہ ہے کہ حنابلہ کے ہاں نوسال سے کم کی ثیبہ بھی باکرہ ہی کی طرح مجبور ہے ۔

۲۔ غیر مجبر ولی گویا بے اختیار سی چیز ہے کیونکہ بالغہ اور نوسال کی ثیبہ کو وہ بلا اجازت و رضامندی بیاہ ہی نہیں سکتا ۔ اور اگر نوسال سے کم عمر کی ہو تو اس کا نکاح ہی درست نہیں ۔ کیونکہ اس کا اذن ہی نامعتبر ہے تا آنکہ باکرہ بالغ ہو جائے او ثیبہ صغیرہ نوسال کی ہو جائے ۔ یہاں حنفی مسلک مالکی مسلک کی طرح ہے ۔

اس لیے یہاں بھی ہم وہی گزارش کریں گے جو اوپر مالکی مسلک کے ذکر کے بعد کر چکے ہیں ۔

۲۸؎ ایضاً ص ۳۶، ۳۷)

Marfat.com

(۲)

تین یک بارگی طلاقیں

ناپسندیدہ فعل

کتاب و سنت سے واضح ہے کہ طلاق کوئی پسندیدہ فعل نہیں اور اسے اسی وقت عمل میں لانا چاہیے، جب ناگزیر ہو۔ قرآن میں ہے:

وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً۔

"اور بیویوں کے ساتھ عمدگی سے نباہ کرو اگر تمھیں ان سے نفرت ہو تو یہ بھی ممکن ہے کہ تمھیں کسی چیز سے نفرت ہو اور اللہ اس میں بڑی بھلائی پیدا کردے"۔

حدیث میں آیا ہے: ان من اعغض حلال الی اللہ الطلاق۔[1]

"حلال چیزوں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت طلاق ہے"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: تزوجوا ولا تطلقوا فان الطلاق یھتز منہ العرش[2]

"نکاح کرو اور طلاق نہ دو۔ طلاق سے عرش الٰہی لرز جاتا ہے"۔

طلاق سے بچانے کی راہیں

طلاق میں شریعت نے کئی طرح کی رکاوٹیں رکھی ہیں۔ جو بجائے خود یہ ثابت کرتی ہیں کہ طلاق کوئی پسندیدہ فعل نہیں مثلاً:

---

[1] (علی لابن عدی، عن علی بحوالہ الجامع الصغیر ص ۱۳۰)

[2] ابو داؤد - ابن ماجہ - کتاب الطلاق - عن ابن عمر)

Marfat.com

۱۔ طلاق حیض کی حالت میں نہ دی جائے بلکہ ایسے طہر میں دی جائے جس میں وطی نہ ہوئی ہو۔[۳]

۲۔ بعث حکمین ہو (دو مصالحت کنندہ مقرر کرنا)[۴]

۳۔ اشہاد شاہدین ہو (دو گواہوں کی موجودگی)[۵]

۴۔ طلاق احسن کا طریقہ عمل میں لایا جائے۔[۶]

---

[۳] عن عبد اللہ ابن عمر انہ طلق امرأتہ وھی حائض علیٰ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسأل عمر بن الخطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک. فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مُرہ فلیراجعھا۔ ثم لیمسکھا حتی تطھر ثم ان شاء امسک بعد وان شاء طلق قبل ان یمس۔ (جامع الترمذی ص ۳۰۹ صحیح بخاری جلد ۲، ص ۷۹۰۔ نسائی جلد ۲: ص ۸۰۔ صحیح مسلم ص ۴۷۹)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی۔ اس کے بارے میں حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا، تو آپؐ نے فرمایا کہ انھیں حکم دو کہ رجوع کر لیں پھر اسے طہر تک روک لیں پھر اگر چاہیں تو رکھ لیں اور چاہیں تو مس کرنے سے پہلے طلاق دے دیں۔"

[۴] وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا (۳۵:۴)

"اگر تمھیں دونوں (زوجین) کے درمیان اختلاف کا خطرہ محسوس ہو تو ایک حکم شوہر کے خاندان سے اور ایک حکم بیوی کے خاندان سے لو اور وہ دونوں مل کر مصالحت کی کوشش کریں۔"

[۵] واشھدوا ذوی عدل منکم (۶۵:۱)

"جب جدا کرنے لگو تو دو عادل مسلمانوں کو گواہ بنا لو۔"

[۶] یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ۔ (۶۵:۱)

"اے نبیؐ جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کا اندازہ رکھ کر دو اور عدت شمار کرتے رہو"

Marfat.com

۵- اس (عدت) کے دوران زوجین ایک ہی گھر میں رہیں[7]

۶- اس اثنا میں شوہر بیوی کے اخراجات کا متحمل ہوگا[8]

۷- اگر حمل ہو تو شوہر زچگی، رضاعت اور حضانت کے اخراجات کا بار اٹھائے۔[9]

۸- مہر نہ ادا ہوا ہو تو اسے ادا کرے[10]

۹- مہر کے علاوہ بھی جو کچھ دیا ہو اسے واپس نہ لے[11]

والمراد ان تطلقوهن فی طهر لم یجامعهن فیه ثم یخلین حتی تنقضی عدتهن واحصوا العدة هذا احسن الطلاق (عمدة القاری طبع مصر۔ للعینی شرح صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۵۲۸)

اس آیت سے مراد ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں ہمبستری نہ کی ہو۔ پھر عدت ختم ہونے تک ان کو چھوڑ دیا جائے۔ یہی احسن طلاق ہے؟

[7][8] واسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم (۶۵: ۶)

جہاں تم رہو وہیں ان مطلقات کو بھی رکھو اپنی استطاعت کے مطابق۔

[9] وان کن اولات حمل فانفقوا علیهن حتی یضعن حملهن فان ارضعن لکم فاتوهن اجورهن (۶۵: ۶)

" اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کے اخراجات اس وقت تک دیتے رہو جب تک وضع حمل نہ ہو جائے۔ پھر اگر وہ دودھ بھی پلائیں تو اُن کو اُجرت بھی دو۔"

[10] واتوا النساء صدقتهن نحلة .... (۴: ۴)

" اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو۔"

[11] وان اتیتم احداهن قنطارا فلا تاخذوا منه شیئا (۴: ۲۰)

"اور اگر تم انھیں دولت کا ڈھیر بھی دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ نیز فرمانِ خداوندی ہے: ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموهن شیئا الا ....

(۲: ۲۲۹) (باقی بر صفحہ ۳۷)

Marfat.com

لہٰذا ہر مسلم معاشرے اور ہر اسلامی ملک کا فرض ہے کہ وقوعِ طلاق کے امکانات کو کم سے کم کرے اور جہاں طلاق ناگزیر ہو وہاں اس کے لیے بہتر سے بہتر طریقہ رائج کرے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

اذا قتلتم فاحسنو االقتلۃ۔[۱۲]

" قتل ہی کرنا ہو تو عمدگی سے قتل کرو "

جب قتل تک میں بہتر طریقہ استعمال کرنے کا حکم ہے تو طلاق میں بھی یہی طریقہ رائج ہونا چاہیے اور وہ ہے "طلاقِ احسن" - احسن طلاق کا مطلب یہ ہے کہ طہر بے وطی میں صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے - اگر عدّت کے اندر رجوع کر لیا تو فبہا، ورنہ عدّت گزرنے کے بعد وہ بائنہ ہو جائے گی - وہ عورت اب جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے وہ اگر چاہے تو اسی شوہر سے نکاح کرے جس نے اسے طلاق دی ہے [۱۳]

---

[۱۲] اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ جو کچھ ان عورتوں کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس لو" (بجز اس کے کہ خلع کی نوبت آئے)

[۱۳] یہ شوہر اس کا زیادہ حقدار ہے اور عورت کو اس اقدام سے روکنا نہیں چاہیے نیز یہ ارشاد ہے :

وبعولتھن احق بردھن فی ذٰلک ان ارادوا اصلاحا -

(۲ : ۲۲۸)

" اور ان کے خاوند اُن کو لوٹا لینے کے زیادہ حقدار ہیں اگر وہ اصلاح کے خواہشمند ہوں -

نیز فرمایا : واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف (۲ : ۲۳۲)

" مطلقہ عورتوں کو عدّت کے بعد اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ دستور کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں "

[۱۲] مسلم (ذبائح) - ابوداؤد (اضاحی) نسائی (ضحایا) ابنِ ماجہ (آیات)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

جب ایک بار طلاق دینا کوئی پسندیدہ فعل نہیں تو ظاہر ہے کہ بار بار طلاق دینا اور رجوع کر لینا اور زیادہ مکروہ اور قابلِ نفرت ہے۔ اس میں نہ صرف عورت کا نقصان ہے بلکہ خود اپنے اوپر بھی ظلم ہے، اسی لیے اس کو قرآن نے قانونِ الٰہی کا مذاق اڑانا قرار دیا ہے:

ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذٰلک فقد ظلم نفسہ ولا تتخذوا اٰیات اللہ ھزوًا ۔

(۲: ۲۳۱)

"انھیں ضرر پہنچانے کے لیے نہ روکو! جو ایسا کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا اور اللہ کے احکام کو مذاق نہ بناؤ۔"

مذکورہ بالا تمام ہدایات سے واضح ہے کہ طلاق دینے سے پہلے مستقبل کے عواقب ونتائج پر اچھی طرح سے غور کر لینا چاہیے[۱۲]

لیکن اگر بہ تقاضائے بشری بے سوچے سمجھے عجلت میں طلاق دے دی گئی ہو تو غور وفکر کا ایک موقع اور دیا گیا ہے۔ انہی دونوں موقعوں کو قرآن نے "الطلاق مرتٰن" سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے بعد ہی فرمایا کہ:

فامساک بمعروف اوتسریح باحسان۔

---

[۱۲] اسی لیے بار بار طلاق دینے والوں کے متعلق سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ:

ان الناس قد استعجلوا فی امر قد کانت لھم اناۃ۔ (مسلم، ج ۲، ص ۱۸۳/۱۸۴، ابوداؤد، ج ۲، ص ۲۹۹-۳۰۰)

"یعنی جس معاملے میں فکر و تامل چاہیے تھا اسی میں لوگ عجلت سے کام لینے لگے۔"

حضرت عباس فرماتے ہیں: "تتایع الناس فی الطلاق فاجازھم علیھم۔"

"لوگ بے سوچے سمجھے طلاق دینے لگے تو (حضرت عمرؓ) نے ان پر نافذ کر دیا۔ (یعنی تین طلاق بیک مجلس کو مغلظہ قرار دیا)

Marfat.com

(یعنی دونوں موقعوں کو کھو دینے کے بعد) یا تو معروف کے مطابق رجوع کرلو یا عمدگی سے چھوڑ دو (تاکہ عدت گزر جائے اور مطلقہ بیوی بائنہ ہو جائے)

یہاں بھی تیسری طلاق کے ذکر سے گریز کیا گیا ہے صرف تسریح (چھوڑ دینے) کا ذکر ہے۔ تاکہ بائن ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کا موقعہ باقی رہے لیکن بدقسمتی سے اگر تیسری طلاق بھی دے دی گئی ہو تو زوجیت کا رشتہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

جیسا کہ ارشاد ہوا:

فان طلقها فلا جناح علیهما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود الله ....الخ

"پھر اگر وہ (شوہر ثانی) بھی طلاق دے دے تو ان دونوں پر از سرِ نو زوجین بننے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ گمان غالب ہو کہ دونوں حدود اللہ کو قائم رکھ سکیں گے"

طلاق کے تین طریقے

جہاں تک تین طلاقوں کا تعلق ہے اس کی مندرجہ ذیل تین شکلیں ہیں:

۱۔ طلاق حسن یا طلاق سنی جس میں تین طہر بے وطی میں تین طلاقیں دی جاتی ہیں۔ اور یہ طلاق مغلظہ یا طلاق بتہ ہو جاتی ہے۔ رجوع کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

۲۔ ازدواجی زندگی کے مختلف اوقات میں دوبار طلاق دے کر رجوع کرلیا ہو اور اس کے بعد تیسری بار بھی طلاق دے دی ہو تو اس کے بعد رجوع کا اختیار ختم ہو جاتا ہے (کیونکہ شوہر صرف تین ہی طلاقوں کا اختیار رکھتا ہے)

۳۔ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دی گئی ہوں۔ اسے "بدعی" بھی کہتے ہیں۔

پہلی دونوں صورتوں میں پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجوع کرلیا جا سکتا ہے۔ لیکن تیسری طلاق سے پہلے تک۔ تیسری کے بعد رجوع ممکن نہیں۔ طلاق حسن اس لیے طلاق حسن ہے کہ اس میں تیسری طلاق سے پہلے تک۔ رجوع کا اور بعد عدت کے تجدید نکاح کا امکان رہتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ احسن طلاق سے قریب تر ہے کیونکہ اس میں احسن کی طرح غور و فکر کے لیے ایک خاص مدت مل جاتی ہے۔ پھر اگر اس مدت کے اندر بھی زوجین کی منافرت دور نہ ہو سکے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ زوجین زوجیت کی خوش آئند زندگی گزارنے کے

Marfat.com

اہل نہیں اور ان کا جدا رہنا ہی بہتر ہے۔ اسی کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ۔ (۴: ۱۳۰)

"اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی کشائش سے دونوں کو ایک دوسرے سے بے نیاز کر دے گا"

یہی صورت نمبر دو میں بھی ہے۔

یہی تیسری شکل میں بھی ہے۔ یعنی بیک مجلس تین طلاق یکبارگی دے دینا۔ اگرچہ ایک کثیر طبقہ اسے مغلظہ ہی مانتا چلا آرہا ہے لیکن ہمارے نزدیک دلائل کی قوت ان ائمہ کے حق میں جاتی ہے جو اسے ایک ہی طلاق مانتے ہیں جو رجعی ہوتی ہے۔ ایسی فوری طلاق میں نہ سوچنے کا موقعہ ملتا ہے نہ بعث حکمین یعنی مصالحت کنندگان کے تقرر) کا بلکہ ان تمام دیواروں کو دفعۃً پھاند لیا جاتا ہے جن کا مقصد سوچ سمجھ کر یہ اقدام کرنا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حتی الامکان طلاق کی نوبت ہی نہ آنے دینا چاہیے اور اگر طلاق ناگزیر ہو جائے تو "طلاق احسن" دینا چاہیے تاکہ دورانِ عدت رجوع اور بعد عدت تجدید نکاح کا موقع رہے۔ طلاق حسن میں تیسری طلاق سے پہلے تک رجوع کا موقع تو رہتا ہے لیکن تیسری کے بعد وہ مغلظہ یا بتہ ہو جاتی ہے اور تجدید نکاح کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ بجز اس کے کہ وہ عورت دوسرا خاوند کر لے۔ اور وہ اتفاق سے اسے طلاق دے دے، یا مر جائے۔

طلاق کی ان اقسام کا اثر یہ ہوتا ہے کہ:

۱۔ ایک شکل میں تو زوجہ بے اختیار رہتی ہے اور وہ ہے طلاق رجعی ایک ہو یا دو (یعنی شوہر عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے)

۲۔ دوسری صورت میں شوہر بے بس ہو جاتا ہے اور وہ ہے بائنہ (زوجیت ختم ہو جاتی ہے پھر جب تک زوجہ نہ چاہے تجدید نکاح نہیں ہو سکتی)

۳۔ تیسری شکل میں میاں بیوی دونوں بے بس ہو جاتے ہیں اور وہ ہے مغلظہ یا بتہ۔ (دونوں چاہیں جب بھی زوجین نہیں بن سکتے۔)

Marfat.com

عوام طلاق کی ان اقسام سے عموماً ناواقف ہوتے ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ طلاق کے معنی ہی ہیں تین طلاقیں۔ عوام قرآن و سنت کے اس ضابطہ عمل سے بھی بے خبر ہوتے ہیں جو طلاق کے لیے بنایا گیا ہے۔ بس وہ یہ جانتے ہیں کہ طلاق طلاق طلاق کہا اور رشتہ زوجیت اسی آن ختم ہوگیا۔ اب صرف عورت کو گھر سے باہر کرنا رہ گیا ہے۔

دفعتہً تین طلاقیں پہلے رجعی تھیں

عہدِ نبویؐ میں، عہدِ صدیقی میں اور دو تین سال تک عہدِ فاروقی میں بھی ایسی تین طلاقیں جو دفعتہً دی جاتیں، ایک ہی یعنی (رجعی) سمجھی جاتی تھیں[۱۵]۔ سیدنا عمرؓ نے طلاق کی جلد بازی اور کثرت کو روکنے کے لیے اسے مغلظہ قرار دیا لیکن بعد میں اس پر سخت ندامت کا اظہار بھی فرمایا[۱۶]۔

۱۵۔ ۔ ۔ ۔ عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و سنتین (وفی روایۃ اخری ثلاثا) من خلافۃ عمرؓ طلاق الثلاث واحدۃ فقال عمر بن الخطابؓ ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لھم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیھم فامضاہ علیھم (مسلم جلد ۲، ص ۸۲-۱۸۳۔ ابو داؤد، جلد ۳، ص ۳۰۰-۲۹۹)

عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ اور ابوبکرؓ کے عہد میں اور دو سال (یا تین سال تک) حضرت عمرؓ کے عہد میں یکبار گی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے کہا کہ جس کام کو سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے اس میں لوگ جلد بازی سے کام لینے لگے لہٰذا ہم اسے کیوں نافذ نہ کریں (یعنی مغلظ قرار دے دیں) غرض آپ نے اسے لوگوں پر نافذ کر دیا۔

۱۶۔ یزید بن ابی مالک راوی ہیں: قال عمر بن الخطاب ما ندمت علی شیء ندامتی علی ثلث ان لا اکون حرمت الطلاق ۔ ۔ ۔ ۔ (اغاثۃ اللھفان لابن قیم ۔ ۔ ۔ (ص ۱۸۰)

"عمر بن خطاب نے فرمایا مجھے تین باتوں پر جیسی ندامت ہوئی ویسی کسی بات پر نہیں ہوئی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے تین یک بار گی طلاق کو مغلظ قرار دے دیا۔

Marfat.com

اس کے علاوہ زبیر بن عوام، عبدالرحمان بن عوف، عکرمہ، طاؤس، محمد بن اسحاق، خلاص بن عمرو، حارث عکلی، داؤد بن علی اور ان کے متبعین اور بعض اصحاب مالک، بعض اصحاب حنفیہ اور بعض اصحاب احمد (مثلاً ابن تیمیہ و ابن قیم) نیز عطا اور ابن دینار وغیرہ بھی اُسے ایک ہی تسلیم کرتے ہیں۔ ابن عباس، علی ابن ابی طالب اور ابومسعود سے دونوں طرح کی روایتیں ہیں، رجعی بھی اور مغلظہ بھی[17]

مولانا عبدالحی فرنگی محلی بھی ایک موقع پر دبی زبان سے اسے رجعی مانتے ہیں۔[18]

اندریں صورت اسے عہدِ نبویؐ کی طرح رجعی قرار دیتے ہیں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ سیّدنا عمرؓ کا حکم محض ایک انتظامی نص یعنی وقتی حکم تھا۔ جب سیّدنا عمرؓ عہدِ نبویؐ کے فیصلے کو وقتی مصلحت سے تبدیل کرنے کے مجاز ہیں تو دوسرے کی ویسی ہی مصلحت سے سیّدنا عمرؓ

---

[17] امام ابن قیم لکھتے ہیں: ابن عباس وعلی وابن مسعود بان الطلقات الثلاث من فم واحد وبحدۃ وافتوا ایضاً بانھا مغلظۃ وافتی الزبیر بن العوام و عبد الرحمن بن عوف وعکرمۃ وطاؤس ومحمد بن اسحاق وخلاص بن عمرو والحارث العکلی وداؤد بن علی واکثر اصحابہ وبعض اصحاب مالک و بعض اصحاب الحنفیۃ، وبعض اصحاب احمد بانھا واحدۃ۔

(اعلام الموقعین، جلد ۱ بحث طلاق صفحہ ۲۴ تا ۲۲، والتاج الجامع (الاصول جلد ۲، ص ۶ ۲۷)

"ابن عباس، علی بن ابی طالب اور ابن مسعود سے دونوں طرح کی روایتیں ہیں۔ یعنی بیک وقت تین طلاقیں رجعی یعنی ایک ہی ہوتی ہیں اور یہ فتویٰ بھی منقول ہے کہ ایسی طلاق مغلظہ ہوگی۔ زبیر بن عوام عبدالرحمان بن عوف، عکرمہ، طاؤس، محمد بن اسحاق، خلاص بن عمرو، حارث عکلی، داؤد بن علی، اور ان کے زیادہ تر پیرو بعض مالکی، بعض حنفی اور بعض حنبلی سب کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسی طلاق ایک ہی یعنی رجعی ہوگی۔

[18] ایسی طلاق اگر موجب ہو بہت سی دشواریوں کا تو کسی شافعی عالم سے فتویٰ لے کر رجوع کر لیا جائے۔ (انتھا ملخصاً فتاوی مولانا عبدالحی فرنگی محلی مسئلہ نمبر ۲۷۴)

Marfat.com

کا فیصلہ بھی بدلا جا سکتا ہے۔ خصوصاً یہ تبدیلی ان معنوں میں ہے کہ اسے عہدِ نبوی کے مطابق بنایا جا رہا ہے جب خود فقہاء اسے طلاق بدعی کہتے ہیں تو اس بدعت سے باز رکھنا کوئی شرعی گناہ نہیں۔ حضور نے ایسی طلاق کو کتاب اللہ کے ساتھ کھیل قرار دیا ہے۔ اور اس پر سخت خفگی کا اظہار فرمایا ہے[١٩]۔ لہٰذا اس کھیل کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔

اس لیے ہماری تجویز یہ ہے کہ بیک مجلس تین طلاقوں کا رواج ختم کر دیا جائے اور اسے ایک ہی طلاق یعنی رجعی قرار دیا ہے۔

سزا مقرر کرنا کوئی خلاف شریعت بات نہیں .... قانون کو توڑنے پر سزا دینا قانون ہی کا تقاضا ہے۔ حلالہ کرانے اور کرنے والے کے لیے سیدنا عمرؓ نے جو سنگساری کی سزا رکھی تھی۔ وہ کوئی منصوص سزا نہیں تھی۔ مگر اس سے مقصود لعنتِ حلالہ سے روکنا تھا۔

جب آنحضورؐ نے اسے تلعب بکتاب اللہ قرار دیا ہے تو اس پر سزا کیوں نہ دی جائے؟ طلاق حسن کو ختم کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اگرچہ تیسری طلاق کے بعد یہ بھی مغلظہ ہو جاتی ہے لیکن اس میں مستقبل کے نشیب و فراز کو سوچنے کا موقع مل جاتا ہے اور طلاق کے شرعی ضابطے پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں تیسری طلاق سے پہلے رجوع کا موقع بھی باقی رہتا ہے اور اگر تیسری طلاق کے بغیر ہی عدت گزر جائے تو تجدیدِ نکاح کا دروازہ بھی کھلا رہتا ہے۔

فوری طلاق مغلظہ اور حلالہ

یکبارگی تین طلاقیں وہی دے گا جس میں صبر کی کمی ہو، سوچنے سمجھنے کی بجائے

---

[١٩] عن محمود بن لبید قال اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأتہ ثلاث تطلیقات جمیعاً فقام غضبان ثم قال ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظھرکم ..... (نسائی کتاب الطلاق جلد ۲، ص ۸۱)

"حضورؐ کو ایک شخص کے متعلق یہ اطلاع ملی کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو حضورؐ غضبناک ہو گئے اور فرمایا کہ میری موجودگی میں بھی کتاب اللہ کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے۔"

Marfat.com

فوری جذبے سے مغلوب ہو جاتا ہو، طلاق کے ضابطہ عمل کے لمبے عرصے کو برداشت نہ کر سکتا ہو اور فوری چھٹکارا چاہتا ہو۔ اس بدعت کو اختیار کرنے کے بعد ننانوے فی صد زوجین کو پچھتانا پڑتا ہے اور وہ اپنے رشتۂ زوجیت کو از سر نو جوڑنے کے لیے ادھر اُدھر بھاگتے پھرتے ہیں اور ان کو اس کا ایک ہی راستہ ملتا ہے اور وہ ہے حلالہ کرا لینا۔

قرآن نے جس حلالے کا ذکر کیا ہے وہ ہے حلالہ ہو جانا نہ کہ حلالہ کرا لینا۔ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ عورت کسی اور سے اس طرح شادی کرے جس طرح پہلے خاوند سے کی تھی۔ اب اگر اتفاقاً وہ دوسرا خاوند طلاق دے دیتا ہے یا مر جاتا ہے تو بعد عدت یہ اپنے پہلے خاوند سے باہمی رضامندی کے بعد شادی کر سکتی ہے۔ یہ ہے قرآن کا وہ قانون جسے "فلا تحل له من بعد حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ" فرمایا ہے لیکن تین طلاقوں کو مغلظہ مان کر پچھتانے والوں نے اس قانون کو توڑنے کے لیے یہ چور دروازہ نکالا کہ کسی سے معاملہ طے کر لیا کہ تم شام کو شادی کر کے صبح کو طلاق دے دو۔ تاکہ میرے لیے یہ مطلقہ بعد عدت حلال ہو جائے۔

قرآن کا منشا ہے حلالہ ہونا اور اس کا چور دروازہ ہے حلالہ کرانا۔ ان دونوں میں وہی فرق ہے جو قدرتی موت اور خودکشی کی موت میں ہے۔ ایک حلال ہے دوسرا حرام ہے۔ حلالہ کرانے میں جو عارضی شادی کرائی جاتی ہے اس میں ایک منکوحہ کی طرح ازدواجی زندگی گزارنے کا کوئی تصور ہی نہیں ہوتا بلکہ یہاں تو ایک شوہر بنایا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اس سے جلد چھٹکارا حاصل کر لیا جائے۔

بعض جگہوں پر کچھ لوگ پیشہ ور محلل بھی ہوتے ہیں۔ انھیں کو حضورؐ نے "التیس المستعار"[۲۰] (کرائے کا سانڈ بکرا) فرمایا ہے۔ اور ان پر اور ان سے حلالہ کروانے والوں پر لعنت کی ہے۔

---

۲۰ عن عقبہ بن عامر، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرکم بالتیس المستعار۔ قالوا بلیٰ یا رسول اللہ قال ھو المحلل لعن اللہ المحلل (باقی بر صفحہ ۴۸)

Marfat.com

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو سنگساری کی دھمکی دی تھی[۲۱] سیدنا عمرؓ کو بعد میں اپنے حکم کی غلطی کا شدت سے احساس ہوا تھا[۲۲]

بقول ابن قیم کے یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس فتوے کا کہ دفعتاً تین طلاقیں مغلظہ ہوتی ہیں[۲۳]

طلاق کا ضابطۂ عمل کیا ہو؟

اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو طلاق دینا ضروری سمجھے تو پہلے متعلقہ حاکم کو اطلاع دے کہ میں اپنی زوجہ کو احکام سنت کے مطابق طہر بے وطی میں فلاں فلاں گواہوں کی موجودگی میں ایک طلاق دے چکا ہوں یا طلاق دینا چاہتا ہوں۔

اس کے بعد متعلقہ حاکم زوجین کے کم از کم دو اہلِ خاندان یا ہمدردی رکھنے والوں کو مصالحت اور تحقیقات اسباب کے لیے زوجین کے مشورے سے مقرر کرے گا۔ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴) وا لمحلل لہ (ابن ماجہ: صفحہ ۶۲۳، ۶۲۲)

(حضورؐ نے فرمایا کہ: تمھیں بتا دوں کرائے کا سانڈ بکرا کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا، وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ خدا حلالہ کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر لعنت کرے۔")

حاشیہ صفحہ ہذا۔ ۲۱ھ اخرج ابن شیبۃ عن عمر قال لا اوتی بمحلل ولا محلل لہ الا رجمتہما (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

۲۲ھ یزید ابن ابی مالک راوی ہیں: قال عمر ابن الخطاب ما ندمت علی شئی ندامتی علی ثلث ان لا اکون حرمت الطلاق۔

(اغاثۃ اللھفان - لابن قیم ص ۱۸۱)

(حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ مجھے تین باتوں پر جیسی ندامت ہوئی ویسی کبھی بھی نہیں ہوئی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے تین یکبارگی طلاقوں کو مغلظ قرار دیا۔")

۲۳ھ ..... ان الافتاء بانھا مغلظۃ یوجب التحلیل۔ (اعلام الموقعین ایضاً)

(ایسی طلاق کو مغلظ قرار دینے کا ہی نتیجہ ہے حلالہ کرانا)

Marfat.com

زیادہ سے زیادہ دو ہفتے (یا کوئی مناسب مدت) کی میعاد دے گا۔

اگر اس اثنا میں مصالحت ہو گئی تو شوہر دوران عدت رجوع کرے گا۔ ورنہ طلاق یا اطلاع طلاق کے دن سے عورت کی عدت شروع ہو گی جو تین قروء یا تین ماہ میں ختم ہو گی۔ اس کے بعد عورت نکاح سے آزاد ہو جائے گی۔ دوران عدت زوجین ایک ہی گھر میں سکونت پذیر رہیں گے اور زوجہ کے تمام اخراجات شوہر کے ذمے ہوں گے۔

اگر عدت ختم ہونے سے پہلے عورت حاملہ ثابت ہو تو عدت وضع حمل ہو گی۔ اور عدت کے تمام احکام نافذ رہیں گے۔ اگر ولادت ہو گئی تو رضاعت اور حضانت کے تمام اخراجات بھی شوہر ہی کے ذمے ہوں گے۔ اگر کسی شخص نے یہ اقرار کیا کہ اس نے تین طلاقیں یک بارگی دی ہیں یا بغیر گواہوں کے طلاق دی ہے (خواہ وہ ایک ہی طلاق ہو) تو وہ جرمانے یا قید یا دونوں سزاؤں کا مستوجب ہو گا۔

Marfat.com

(۳)

حقِ خلع

اسلام جس طرح شوہر کو طلاق دینے کا حق دیتا ہے اسی طرح عورت کو طلاق حاصل کرنے کا بھی حق دیتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

وان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت به۔ (۲: ۲۲۹)

"اور اگر تمھیں یہ اندیشہ ہو کہ وہ دونوں (زوجین) حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں کہ عورت فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا لے۔"

حدیث میں آیا ہے۔

ان امرأة ثابت بن قیس بن شماس اتت النبی صلی اللہ علیه وسلم فقالت یا رسول اللہ ثابت بن قیس ما اعتب علیه فی خُلُق ولا دین ولکن اکرہ الکفر فی الاسلام۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه اتردین علیه حدیقته قالت نعم قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اقبل الحدیقة و طلقها تطلیقة[1]

ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی (جمیلہ بنت عبد اللہ بن اُبَی) نے حضورؐ کے پاس آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ ثابت بن قیس سے مجھے کوئی اخلاقی یا دینی شکایت نہیں مگر میں اسلام میں داخل ہونے کے بعد کفر سے ڈرتی ہوں (یعنی منافقانہ محبت کی زندگی گزارنا نہیں چاہتی)۔

---

[1] (بخاری جلد ۲، صفحات ۷۹۴، ۷۹۵) اور نسائی جلد ۱ ص ۸۹ عن ابن عباس)

Marfat.com

حضورؐ نے پوچھا کیا تم اس کا باغ (جو مہر میں دیا گیا ہے) اسے واپس کر دوگی؟ اس نے کہا "ہاں" حضورؐ نے (ثابت) سے فرمایا کہ یہ باغ قبول کر لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔"

اگر شوہر اپنی مرضی سے طلاق دے تو وہ جو کچھ عورت کو دے چکا ہے اس سے دست بردار ہونا پڑتا ہے لیکن اگر عورت کے مطالبے پر شوہر طلاق دے تو عورت کو معاوضہ پیش کرنا پڑتا ہے۔ اسی کو فقہی اصطلاح میں خلع کہتے ہیں گویا خلع ایسی طلاق ہے جو عورت معاوضہ دے کر اپنے شوہر سے حاصل کرتی ہے۔

جس طرح باہمی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی یا معافی ہو سکتی ہے (جس کا ذکر طلاق کے بیان میں ہو چکا ہے) اسی طرح معاوضۂ طلاق میں بھی ہو سکتا ہے۔ عورت اگر سارا مال واپس کرے تو خلع ہے۔ کم دے تو صلح ہے۔ زیادہ ادا کرے تو فدیہ ہے اور اگر تمام حقوق کو (جو شوہر پر عائد ہوتے ہیں) معاف کر دے تو مبارات ہے۔ جیسا کہ بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۴۲ کی اس عبارت سے واضح ہے۔

ان اسم الخلع یختص ببذلہا لہ جمیع ما اعطاہا والصلح ببعضہ والفدیۃ باکثرہ والمبارات باسقاطہا عنہ حقا لہا علیہ۔

"جو کچھ شوہر نے دیا ہو وہ سب دے دینے کے لیے خلع کا لفظ مخصوص ہے صلح کا تعلق بعض حصے سے اور فدیہ کا اکثر حصے سے ہے اور اس کا جو حق شوہر پر عاید ہوتا ہے اسے ساقط کر دینا مبارات ہے۔"

یہ فقہی اصطلاحات ہیں جو عقل کے مطابق ہیں اگرچہ احادیث میں صرف خلع کا پتہ چلتا ہے۔ واضح رہے کہ خلع میں صرف ایک بار طلاق دی جاتی ہے جیسا کہ مندرجہ بالا روایت سے ظاہر ہے۔ جمہور فقہا اسے طلاق بائن[1] قرار دیتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک یہی درست

---

[1] ... وجمهور من رای انه طلاق یجعله بائنا لانه لو کان للزوج فی العدۃ منه الرجعة علیها لم یکن لافتدائها معنی (بدایۃ المجتہد جلد ۲، ص ۶۹)

خلع کو طلاق ماننے والے جمہور اسے طلاق بائن قرار دیتے ہیں کیونکہ اگر شوہر کے لیے دوران عدت رجوع کا اختیار باقی رہے تو عورت کا فدیہ ادا کرنا بے معنی ہو جاتا ہے۔"

Marfat.com

ہے۔ لہٰذا خلع کے بعد طلاق بائن کے اثرات مرتب ہوں گے یعنی اسی وقت رشتۂ زوجیت ختم ہو جائے گا۔[۵۳] دورانِ عدت شوہر رجوع نہیں کر سکتا۔[۵۴] اور عورت عدت سے پہلے کوئی دوسرا شوہر نہیں کر سکتی ہے۔[۵۵] دورانِ عدت یا بعد عدت باہمی رضامندی سے تجدید نکاح ہو سکتی ہے۔[۵۶] عدت کے دوران نفقہ و سکنیٰ شوہر کے ذمے ہوں گے۔[۵۷]

جیسا کہ طلاق کے بیان میں گزر چکا ہے ابغض الحلال ہونے کی وجہ سے طلاق کے راستے میں کئی رکاوٹیں ڈالی گئی ہیں جن کا کتاب و سنت میں سراغ ملتا ہے۔ لیکن چونکہ خلع بھی انتہائی ناپسندیدہ فعل[۵۸] ہے لہٰذا اگر اس کی راہ میں بھی کچھ رکاوٹیں پیدا کر دی جائیں تو

۵۵۔ ولا تعزموا عقدة النکاح حتیٰ یبلغ الکتاب اجله (۲:۲۳۵)

"جب تک عدت پوری نہ ہو تب تک نکاح ثانی کی گرہ نہ باندھو۔"

۵۶۔ (ا) اذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن اذا تراضوا بینهم بالمعروف

(جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ دستور کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں)

(ب) ان الجمهور اجمعوا علی ان له ان یتزوجها برضاها فی عدتها۔ (بدایۃ المجتهد جلد ۲، ص ۷۰)

(جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مختلعہ کی رضامندی سے شوہر دورانِ عدت بھی نکاح کر سکتا ہے)

۵۷۔ وللمطلقة الرجعی والبائن .... النفقة والسکنیٰ۔

(شرح وقایہ جلد ۲ صفحات ۱۷۸، ۱۷۹)

(رجعی اور بائنہ مطلقہ کے لیے نفقہ و سکنیٰ ہے)

۵۸۔ .... (ا) المختلعات هن المنافقات (ترمذی)

(خلع کرنے والی عورتیں منافق ہوتی ہیں)

(ب) ایما امرأة سألت زوجها الطلاق من غیر بأس فحرام

Marfat.com

ان کی کوئی ممانعت کتاب و سنت میں نہیں[۵۹] لہذا طلاق بائن کے بیان میں جو شرطیں رکھی گئی ہیں ان کو خلع میں بھی رکھنا چاہیے ۔ مثلاً ۔

۱۔ بعث حکمین

۲۔ استشہاد شاہدین

۳۔ دوران عدت کا نفقہ و سکنی ؟

۴۔ دودھ پلائی کی اجرت

۵۔ اخراجات حضانت

۶۔ تحریری تصدیق وغیرہ

ان سب باتوں کا ذکر طلاق کے بیان میں گزر چکا ہے ۔

ایک ضروری بات

خطابی، طاؤس، عکرمہ، احمد بن حنبل، اسحاق، ابو ثور، ابن قیم وغیرہ خلع کو فسخ نکاح قرار دیتے ہیں ۔ اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی کو حضورؐ نے ایک ہی حیض کی عدت کا حکم دیا لیکن جمہور فقہا اسے طلاق بائن کہتے ہیں اور اس کی عدت تین قروء بتلاتے ہیں[۶۰]۔

فحرام علیہا رائحۃ الجنۃ (ترمذی)

(جو عورت کسی خاص برائی کے بغیر ہی اپنے شوہر سے مطالبۂ طلاق کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے)

۵۹ بعض شرائط طلاق قرآن مجید میں ہیں ۔ مثلاً: اشہاد شاہدین اور بعث حکمین لیکن سنت میں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا ۔ سنت میں اگر کسی بات کا سراغ نہ ملتا ہو مگر وہ مزاج کتاب و سنت کی روح کے مطابق ہو تو اس کو قبول کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ۔ سعید بن جبیر کی بھی یہی رائے ہے ۔

(ملاحظہ ہو احکام القرآن للجصاص جلد ۲ صفحہ ۲۲۳)

قال سعید بن جبیر فی المختلعۃ یعظہا فان انتہت والا ہجرہا والا ضربہا فان انتہت والا رفع امرہا الی السلطان فیبعث حکما من اہلہ وحکما من اہلہا ۔ ۔ ۔ ۔

۶۰ ملاحظہ ہو " التاج الجامع للاصول جلد ۲، ص ۳۸۳ کا حاشیہ ۔

Marfat.com

ہم اسی کے حق میں رائے رکھتے ہیں۔

ایک اور ضروری بات

اگر قاضی یہ فیصلہ دے کہ طالبۂ خلع کرنے والی عورت کو اس کا شوہر طلاق دے تو شوہر انکار نہیں کر سکتا۔ اگر انکار کرے تو قاضی اسے قید کر سکتا ہے۔ اگر اس پر بھی طلاق نہ دے تو قاضی اپنے اختیار سے ان دونوں کے درمیان تفریق کرا سکتا ہے خواہ طلاق بائن ہو یا نکاح کو فسخ کر کے ہو۔ قاضی کے اس اختیار کے لیے سعید بن جبیر کا قول کافی ہے[۱۱] ایلا، لعان اور عنہ میں بھی قاضی کا یہ اختیار بہت سے فقہا نے تسلیم کیا ہے[۱۲]

---

[۱۱] ومن طریق حماد بن سلمۃ عن ایوب السختیانی عن سعید بن جبیر قال: لا یکون الخلع الا حتی یعظھا فان اتعظت والا ضربھا فان اتعظت و الا فارتفعھا الی السلطان فیبعث حکما من اھلھا وحکما من اھلہ یرفع کل واحد منھما الی السلطان ما یسمع من صاحبہ فان رای ان یفرق فرق وان رای ان یجمع جمع (المحلی لابن حزم جلد ۱۰ ص ۲۴۳)

"خلع اسی وقت ہوگا جب پہلے شوہر اسے سمجھائے وہ سمجھ جائے تو فبہا ورنہ پھر اسے خوابگاہ میں چھوڑے اس سے بھی کام نہ چلے تو پھر اسے خفیف ضرب لگائے (اس سے بھی کام نہ چلے تو) وہ دونوں اپنا معاملہ حکومت کے سامنے لے جائیں پھر حکومت ایک آدمی عورت کا اور دوسرا مرد کا مقرر کرے اور ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے مؤکل کی باتیں سن کر حاکم تک پہنچائے۔ اس کے بعد حاکم مناسب سمجھے گا تو تفریق کرا دے گا یا مصالحت کرا دے گا۔

[۱۲] ایلا کا مطلب ہے زوج کا یہ قسم کھانا کہ میں اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اس صورت میں چار ماہ کے اندر وہ اپنی قسم توڑ کر کفارۂ قسم ادا کر سکتا ہے ورنہ چار ماہ کے بعد اسے طلاق بائن ہو جائے گی لیکن یہ تفریق قاضی کرائے گا۔ نزد امام شافعی:

قال الشافعی تبین بتفریق القاضی لانہ مانع حقھا فی الجماع فینوب القاضی منابہ فی التسریح کما فی الجب والعنۃ۔ (ہدایہ جلد ۲، ص ۳۸۰)

لعان کا مطلب یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی پر ناجائز تعلق کا الزام لگاتا ہے تو قاضی دونوں کو بلا کر

(باقی بر صفحہ ۸۲)

Marfat.com

اس سلسلے میں سپریم کورٹ نے مجھ سے کچھ سوالات کیے تھے۔ وہ سوالات اور ان کے جواب درج ذیل ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱) قسمیں کھلوتا ہے۔ پھر قاضی ہی دونوں میں تفریق کرتا ہے۔
اس بارے میں مسلک احناف یہ ہے۔

اذا التعنا لا تقع الفرقة حتی یفرق القاضی بینهما (ایضاً ص ۳۹۸)

یعنی قاضی کی تفریق کے بغیر لعان والی جدائی نہیں ہو سکتی۔ اس تفریق کے لیے زوجین کی رضامندی بھی ضروری نہیں۔ ملاحظہ ہو یہ عبارت،

وان لم یرضیا بالفرقة (حاشیہ شرح وقایہ جلد ۲، ص ۳۸ حاشیہ ۹)

یعنی اگرچہ زوجین تفریق پر راضی نہ ہوں۔ انتہا یہ ہے کہ اگر تفریق قاضی سے پہلے دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے تو حق وراثت باقی رہے گا۔

لو مات احدهما بعد الفراغ من قبل تفریق الحاکم توارثا۔ (عنایۃ ایضاً حاشیہ ۵)

یعنی اگر قسمیں کھا چکنے کے بعد حاکم کی تفریق سے پہلے زوجین میں سے کوئی مر جائے تو وراثت جاری ہوگی۔

..... عنّہ کا مطلب ہے شوہر کا نامرد ہونا۔ اس کا مسئلہ حنفیہ کے نزدیک یہ ہے۔

واذا کان الزوج عِنّیناً اجّله الحاکم سنة فان وصل الیها فبها والا فرق بینهما (ایضاً، ص ۴۰۰)

۱۳ یعنی اگر شوہر نامرد ہو تو حاکم اسے ایک سال کی (علاج کے لیے) مہلت دے گا۔ اگر وہ اس دوران میں مجامعت کرے تو فبہا ورنہ قاضی دونوں میں تفریق کرا دے گا۔

ایلا کے بارے میں اگر شوہر رجوع اور طلاق دونوں سے انکار کرے تو ....

فان مالک قال یطلق القاضی علیه وقال اهل الظاهر یحبس حتی یطلق بنفسه۔ (احکام القرآن للجصاص جلد ۲، ص ۱۰۱)

یعنی امام مالک کہتے ہیں کہ اس صورت میں قاضی شوہر کی طرف سے طلاق دے گا۔ اہل ظاہر کہتے ہیں کہ قاضی اسے اس وقت تک قید میں رکھے گا جب تک وہ خود طلاق نہ دے دے۔

ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے کوئی وجہ نہیں کہ فسخ میں اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی اسے قید نہ کرے اور پھر بھی نہ مانے تو وہ اپنے اختیار سے طلاق یا فسخ کے ذریعے تفریق نہ کرائے۔

Marfat.com

سوالات

۱- آیا خلع عورت کا حق ہے؟ (اگر یہ شرط قرآنی پوری ہو جائے کہ زوجین میں خلیج ایسی حائل ہو گئی کہ پاٹی نہیں جا سکتی)-

۲- یا خاوند خلع دینے سے انکار کر سکتا ہے؟

۳- اور اگر وہ انکار کرے تو کیا قاضی یا عدالت شرط قرآنی کے متعلق تسلی کرنے کے بعد تفریق زوجین کا حکم دے سکتی ہے یا نہیں؟-

جواب

عورت کو اگر نکاح کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تو نکاح[۱۴] باقی رکھنے پر بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا- اگر مرد طلاق دے تو اسے اپنا دیا ہوا مال چھوڑنا پڑتا ہے- اسی طرح اگر عورت طلاق کی خواہش مند ہو تو اسے لیا ہوا مال واپس کرنا پڑتا ہے- اسی کو خلع کہتے ہیں یعنی خلع ایسی طلاق ہے جو مال کے عوض حاصل کی جاتی ہے- قرآن میں اس کا ذکر یوں ہے:

فان خفتم ان لا یقیما حدود اللّٰہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ- (۲: ۲۲۹)

"اگر تمھیں (اے حاکمو[۱۵]) یہ اندیشہ ہو کہ وہ دونوں (زوجین) حدود اللّٰہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو بیوی جو کچھ دے کر اپنی جان چھڑا لے- اس میں ان دونوں (زوجین) پر کوئی گناہ نہیں"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ فدیہ دے کر اپنی جان چھڑانا عورت کا ایک جائز حق ہے- اگر یہ جائز حق نہ ہوتا تو یہ کیوں کہا جاتا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں؟ بلا شبہ بعض ایسی احادیث[۱۶]

---

[۱۴] ورنہ حضور بریرہؓ کو مغیثؓ کے ساتھ رہنے پر مجبور کرتے- بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ ہیں- یہ مفصل واقعہ موجود ہے-

[۱۵] بیشتر مفسرین نے اس کا مخاطب حکام ہی کو مانا ہے مثلاً احکام القرآن للجصاص جلد ۲ صفحہ ۲۲۱- تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۲۷۴- معالم التنزیل جلد ۱ صفحہ ۴۴ اور تفسیر خازن جلد ۱ ص ۵۴ وغیرہ-

[۱۶] المختلعات ھن المنافقات

(باقی بر صفحہ ۵۴)

Marfat.com

موجود ہے۔ لیکن کراہت تو اس طلاق میں بھی ہے جو مرد خود دیتا ہے[۲۱] اور اس کے باوجود طلاق دینا مرد کا حق ہے۔ زوجین کے درمیان جدائی کوئی اچھی چیز نہیں لیکن بعض مواقع ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں یہ جدائی دونوں کے لیے بہتر ہوتی ہے جبکہ دونوں کی زندگی باہمی ناموافقت کی وجہ سے عذاب بنی ہوئی ہو۔ ایسے ہی موقع کے لیے ارشادِ قرآنی ہے:

وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ (۴: ۱۳۰)

"اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو خدا اپنی کشادگی سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا"

بیوی اگر ناقابلِ اظہار یا قابلِ اظہار ناپسندیدگی کی وجہ سے اپنے شوہر کے ساتھ گزارا کرنا نہ چاہے تو اسے زبردستی روکے رکھنا "ضرار" اور ایک قسم کا "حبس بے جا" بھی ہے اور قرآن نے اس سے ان الفاظ میں منع کیا ہے:

فلا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا (۲: ۲۳۱)

"انھیں محض نقصان پہنچانے کے لیے مت روکے رکھو۔"

ضرار سے بچنا مرد کی طرح عورت کا بھی حق ہے اور اس پر کوئی جبری پابندی نہیں لگائی ہے۔ مصالحت و مفاہمت کی کوشش کرنی چاہیے جیسا کہ قرآن نے کہا ہے:

وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ..... (۴: ۳۵)

"اگر تمھیں (اے حاکم) زن و شو کے درمیان ضد پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳) ۔ خلع لینے والی عورتیں منافق ہوتی ہیں۔ (نسائی جلد ۲، ص ۸۸ اور ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۷)

[۲۱] ابغض الحلال الی اللہ الطلاق

(جائز باتوں میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت چیز طلاق ہے) ابوداؤد جلد ۲، ص ۲۹۶ و ابن ماجہ جلد ۱ ص ۶۵۰)

Marfat.com

کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے مقرر کرو۔

لیکن اگر یہ کوشش ناکام ہو تو عورت کا یہ حق سلب نہیں ہوتا۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل احادیث پہ غور کرنا چاہیے۔

(عن ابن عباس) ان جمیلۃ بنت ابی بن سلول اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ما اعتب علی ثابت فی دین ولا خلق ولکن اکرہ الکفر فی الاسلام لا اطیقہ بغضا فقال لھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اتردین حدیقتہ؟ قالت: نعم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل الحدیقۃ و طلقھا تطلیقۃ (نسائی جلد ۲، ص ۸۹، بخاری جلد ۲، ص ۷۹۴)

"جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی بن سلول نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ: مجھے (اپنے شوہر) ثابت بن قیس سے دین یا کردار کی کوئی شکایت نہیں لیکن میں اسلام میں آنے کے بعد ناقدری کو پسند نہیں کرتی۔ میں اپنی نفرت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ حضورؐ نے فرمایا: کیا تم اس کا باغ (جو مہر میں ملا ہے) اسے واپس کر دو گی؟ اس نے کہا ہاں۔ حضورؐ نے فرمایا: (اے ثابت) باغ قبول کر لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔"

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ بیوی کو اپنے شوہر سے نہ کوئی دینی شکایت ہے نہ اخلاقی۔ گویا وہ ہر لحاظ سے غنیمت ہے لیکن وہ کسی وجہ سے نفرت کرتی ہے جیسے اس روایت میں نہیں بتایا گیا۔ البتہ دوسری روایت سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ثابت پست قد اور بدصورت تھے پھر یہاں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں کہ حضورؐ نے نفرت کی وجہ پوچھی ہو یا مفاہمت کی کوشش فرمائی ہو۔ حضورؐ کی فراست نے نفرت کی وجہ بھی سمجھ لی ہوگی اور یہ بھی بھانپ لیا ہوگا کہ مفاہمت کی کوشش سودمند نہ ہوگی۔ روایت میں اس کا ذکر نہیں کہ حضورؐ نے اسے باز رکھنے کی کوئی سعی فرمائی۔ بس ایک ہی راہ نظر آئی کہ شوہر طلاق دے دے اور زوجہ باغ واپس کر دے۔

جمیلہ کی نفرت بالکل طبیعی تھی اور ایسی حالت میں محض ثواب کی خاطر مجبور کرنا اس

Marfat.com

کی ازدواجی زندگی کی خوش گواریوں کے منافی تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ خلع عورت کا ایک جائز حق نہ ہوتا تو حضور جمیلہ کو اس سے روکتے یا اظہارِ ناراضی فرماتے۔

جناب ثابت بھی آخر انسانی جذبات رکھتے تھے چنانچہ انھوں نے مال کے ذریعے پھر عورت کا انس و محبت خریدنے کی کوشش کی۔ ایک دوسری عورت (حبیبہ) سے شادی کی اور مہر میں پھر اسی طرح باغ دیا۔ اس کا انجام کیا ہوا وہ دوسری روایت بھی سنیے:

(عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال) ..... کانت حبیبۃ بنت سھل تحت ثابت بن قیس بن شماس وکان رجلا دمیما فقالت یا رسول اللہ! واللہ لولا مخافۃ اللہ اذا دخل علی لبصقت فی وجھہ۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتردین علیہ حدیقتہ۔ فقالت: نعم فردت علیہ حدیقتہ قال ففرق بینھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(ابن ماجہ جلد ۱، صفحہ ۶۶۳)

حبیبہ بنت سہل ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی تھی۔ ثابت پست قد اور بدشکل تھے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اگر خوفِ خدا دامن گیر نہ ہوتا تو جس وقت میرے پاس آتا ہے میں اس کے منہ پر تھوک دیتی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کیا تم اس کا باغ واپس کر دو گی؟ عرض کیا "ہاں"۔ چنانچہ اس نے انھیں ان کا باغ واپس کر دیا اور حضورؐ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دی۔[۱۹]

یہ دو الگ الگ واقعے ہیں اور دونوں ہی جناب ثابتؓ سے متعلق ہیں۔ پہلے واقعے میں حضورؐ نے ایک طلاق دینے کا حکم دیا اور دوسرے میں تفریق کرا دی۔ یعنی نکاح فسخ کر دیا۔ حضورؐ کے یہ دونوں فیصلے بہ حیثیت ایک جج کے تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر عورت افتدا (خلع) چاہے تو قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ خواہ وہ شوہر کو طلاق دینے کا حکم

---

۱۹ بخاری میں فرّق کی بجائے فارق ہے، معنی وہی ہیں۔

Marfat.com

دے دے یا فسخ نکاح کرکے تفریق کرا دے بخصوصاً اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی کو بطریق اولیٰ حق فسخ تفریق ہوتا ہے۔ اگر اسے حکمین مقرر کرنے میں مفاہمت کی صورت نظر آئے تو یہ کرے اور اگر اسے یہ محسوس ہو کہ معاملہ انتہا تک پہنچ چکا ہے اور حکمین کا تقرر مفید نہ ہوگا تو تفریق بھی کرا سکتا ہے۔

موجودہ دور کے محقق علی خفیف حدیث خلع کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

أليس يستنبط من هذا الحديث الصحيح ان يكون للقاضي حق المخالعة بين الزوجين اذا رفعت الزوجة امرها من زوجها اليه وانها لا تطيقه بغضاً وان العشرة بينهما لا تستقيم على هذه الحال ولا يمكن اقامة حدود الله معه فيأمرهما القاضي بالمخالعة على ما اعطاها من مهر فان استجابا والا قضى بذلك بينهما ونفذ قضاءه فيهما اذا رضيت الزوجة بذلك وابى الزوج۔

انى ارى الحديث دالاً على ذلك اذ ليس فيه ما يدل على ان امر الرسول بالمخالعة بين ثابت وزوجته كان امر ارشاد وندب لا تجب طاعته كما ذهب الى ذلك بعض الفقهاء اذ لا يترك الرسول صلعم امر زوجين ترافعا اليه وانتهى بهما الحال الى هذا الوضع الذى لا يلتئم مع دين ولا خلق دون ان يشرع له علاجاً حاسماً وقضاء فاصلاً اذ كنت لا اعثر عليه على هذا الرأى لفقيه فذلك لا يغيره بعد ان صح الحديث (فرق الزواج فى المذاهب الاسلامية لعلى خفيف ص ۱۳۵ حاشیہ ۱)

کیا اس حدیث سے یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ جب بیوی اپنے شوہر کے معاملے کو قاضی کے پاس لے جائے اور وہ اس کی نفرت کو برداشت نہ کر سکتی ہو اور اس حالت میں

Marfat.com

دونوں کی زندگی خوشگوار نہ گزر سکتی ہو۔ اور شوہر کے ساتھ رہنے میں حدود اللہ کا قیام ممکن نہ ہو تو قاضی کو زوجین کے درمیان خلع کرا دینے کا حق حاصل ہے۔ یعنی وہ دونوں کو شوہر کے دیے ہوئے مہر پر خلع کرانے کا حکم دے؟ اس وقت اگر وہ دونوں مان لیں تو فبہا ورنہ قاضی ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دے اور ان دونوں پر اپنا فیصلہ نافذ کر دے جب کہ زوجہ تو اس خلع پر راضی ہو۔ اور شوہر انکار کر دے۔

ثابت اور ان کی بیوی کے درمیان خلع کرا دینے کی اس حدیث میں جو حکم نبویؐ موجود ہے وہ محض ایک نصیحت یا مستحب چیز نہیں جس کی اطاعت ضروری نہیں ہوتی جیسا کہ بعض فقہا کا مسلک ہے۔ ظاہر ہے کہ جب زوجین نے اپنا معاملہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا اور صورت حال اس انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ دین اور خلق کے باوجود صلح کا امکان نہ تھا تو اس کو حضورؐ بغیر ایک فوری اور قطعی فیصلے کے معلق نہیں چھوڑ سکتے تھے اور جب اس کے خلاف کسی فقیہہ کا کوئی علم نہیں تو اس صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے اس استنباط کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ جب حکمین کا تقرر قاضی کی توثیق سے ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ان حکمین سے اس قاضی کے اختیارات یقیناً زیادہ ہوتے ہیں۔ اب خود ان حکمین کے کیا اختیارات ہیں اس کے متعلق فقہا کی دو رائیں ہیں۔ بعض ان حکمین کو تفریق کا حق نہیں دیتے اور بعض یہ حق دیتے ہیں۔ علی حفیف بھی اسی کے حامی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:-

وخالف فی ذلک فریق من الفقہاء الی انہما یأتمان علیہما ان یصلحا بین الزوجین ما رأیا الی الاصلاح وسیلۃ۔ فاذا تعذر الاصلاح بینہما فرقا بینہما علی عوض او بغیر عوض علی حسب الاحوال رضی الزوجان بذلک ام ابیا وعلی القاضی امضاء حکمہما وانفاذہ اذ المۃ للخلاف بین الزوجین۔ وھذا الرأی مرویؐ عن سعید بن مسیب

Marfat.com

وسعید بن جبیر وابی سلمة والشعبی والنخعی وھو مذھب مالك والاوزاعی واسحاق واحد قولی الشافعی وروایة اخری عن احمد وھو قول اھل المدینة وھو الصحیح (ایضاً ص ۲۰۷)

(فقہا کے ایک گروہ نے اس مسئلے میں (حکمین کو تفریق کا حق نہ دینے کی) مخالفت کی ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ زوجین پر حکمین کا فیصلہ نافذ ہوگا جب تک وہ مصالحت کا ذریعہ نکال سکیں گے[۱۹] لیکن اگر مصالحت نہ ہو سکے گی تو دونوں میں تفریق کرادیں گے۔ خواہ معاوضۂ طلاق دلوا کر یا اس کے بغیر۔ حالات کا جیسا تقاضا ہوگا ویسا کریں گے عام اس سے کہ زوجین اس تفریق سے راضی ہوں یا انکار کردیں[۲۰] پھر حکمین کے اس فیصلے کو نافذ کرنا قاضی کی ذمہ داری ہوگی تاکہ زوجین کا باہمی اختلاف دور کیا جا سکے۔ سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، ابو سلمہ، شعبی، نخعی، مالک، اوزاعی اور اسحاق سے یہی مروی ہے اور ایک روایت کے مطابق شافعی اور احمد بن حنبل بھی یہی رائے رکھتے تھے۔ اہل مدینہ کا بھی یہی قول ہے اور یہی صحیح ہے)۔

اس کے بعد علی خفیف اس کی عقلی و نقلی تائید میں یوں لکھتے ہیں:

..... ولان من القواعد المقررة فی الشریعة الاسلامیة نفی الضرار ودفع الضرار۔ وذلك الی الحاکم اذا لم یتیسر رفعھما الا بقضائه۔ وقد بعث عثمان ابن عباس ومعاویة حکمین بین عقیل بن ابی طالب و زوجته فاطمه بنت عتبة فقال لھما ان رأیتما ان تفرقا

---

[۲۰] حکمین کے اختیارات کی وسعت کا اس سے اندازہ کیجیے کہ وہ نہ معاوضۂ طلاق دلوانے کے پابند ہیں نہ زوجین کی رضامندی کے۔ کیا اس سے قاضی کے اختیارات کا اندازہ نہیں ہوتا۔ جو خود حکمین کو اتنے وسیع اختیارات دے سکتا ہے۔

Marfat.com

فرقتما وکذلك وردعن علیؓ انه بعث حکمین بین زوجین وقال لهما علیکما ان رأیتما ان تفرقا فرقتما وان رائیتما ان تجمعا جمعتما۔ فجعل عثمانؓ وعلیؓ الحکم الی الحکمین ولم یعرف لهما من الصحابة مخالف۔ وانما عرف الخلاف فی زمن التابعین (ایضاً صفحہ ۳۰۷)

کیونکہ ضرر اور ضرار کو دور کرنا شریعت اسلامیہ کے مقررہ قواعد میں داخل ہے اور اس کا تعلق قاضی سے ہے جب کہ اس کے فیصلے کے بغیر وہ ضرر یا ضرار دور نہ ہو سکتا ہو۔ عقیل بن ابی طالب اور ان کی بیوی فاطمہ بنت عتبہ کے جھگڑے کو دور کرنے کے لیے حضرت عثمان نے ابن عباس اور معاویہ کو حکم مقرر کیا اور کہا کہ اگر تم دونوں مناسب سمجھو تو ان دونوں میں تفریق کرادو۔ اسی طرح حضرت علیؓ کا بھی واقعہ ہے کہ ایک میاں بیوی کے لیے آپ نے دو حکم مقرر کرتے ہوئے کہا کہ تمہارا کام یہ ہے کہ اگر ان دونوں کے درمیان تفریق مناسب سمجھو تو تفریق کرادو اور مصالحت مناسب نظر آئے تو مصالحت کرادو۔ غرض حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے فیصلے کو حکمین ہی کے سپرد کر دیا اور صحابہ میں سے کسی ایک سے بھی اس کی مخالفت منقول ہیں۔ یہ اختلاف تو تابعین کے دور میں شروع ہوا۔

یہاں یہ نکتہ پیش نظر رہے کہ صحابہ کے دور تک حکمین کے اختیار تفریق میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ یہ اختلاف تابعین کے دور میں شروع ہوا۔

میرے نزدیک فقہا کی ان دونوں رایوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ اگر قاضی حکمین کو صرف مصالحت کی کوشش کرنے پر مامور کرے تو ان کا اختیار صرف مصالحت کی کوشش تک محدود رہے گا۔ اور اگر قاضی تفریق کا اختیار بھی سونپ دے تو حکمین تفریق بھی کرا سکتے ہیں۔ (اگر حکمین کسی ایک بات پر متفق نہ ہوں تو قاضی اپنی صوابدید سے کام لے گا)۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے حکمین کو مصالحت اور تفریق دونوں کا اختیار دیا تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حکمین کو اتنا ہی اختیار رہے گا

Marfat.com

جتنا کہ قاضی انھیں دے۔ بہرحال فقہا کا ایک قابل اعتماد گروہ خود حکمین کو جب تفریق کا حق دیتا ہے تو قاضی کا یہ اختیار بطریق اولیٰ ثابت ہو جاتا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر (تابعی) یہی رائے رکھتے ہیں کہ:

(ومن طریق حماد بن سلمۃ عن ایوب السختیانی عن سعید بن جبیر قال) لا یکون الخلع الا حتی یعظها فان اتعظت والا ضربها فان اتعظت والا ارتفعا الی السلطان فیبعث حکما من اهلها وحکما من اهله یرفع کل واحد منهما الی السلطان ما یسمع من صاحبه فان رأی ان یفرق فرق وان رأی ان یجمع جمع ....

(المحلی لابن حزم جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۷)

خلع اس وقت ہوگا جب شوہر عورت کو پہلے پند و نصیحت سے سمجھائے۔ وہ پند و نصیحت قبول کرے تو فبہا ورنہ اسے ضرب لگائے[۵۲]۔ وہ مان جائے تو فبہا ورنہ وہ دونو سلطان (عدالت) امیر یا قاضی کی طرف رجوع کریں گے۔ پھر سلطان دونوں کے خاندانوں سے ایک ایک حکم مقرر کرے گا۔ پھر ہر ایک حکم اپنے موکل سے جو کچھ سنتا رہا اسے سلطان تک پہنچائے گا۔ اس کے بعد سلطان تفریق مناسب سمجھے گا تو تفریق کرا دے گا اور ملا دینا مناسب سمجھے گا تو ملا دے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ عورت اپنے آپ کو کسی ضرر سے بچانے کے لیے مطالبۂ طلاق کا حق رکھتی ہے اور قاضی اس کا اختیار رکھتا ہے کہ اسے شوہر سے طلاق دلوا دے اور اگر شوہر طلاق نہ دے تو قاضی خود بھی طلاق دے سکتا ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب اس مسئلے میں بالکل واضح ہے۔ ملاحظہ ہو:

---

۵۲ قرآن نے ضرب سے پہلے ایک اور زینہ رکھا ہے اور وہ ہے خواب گاہ میں تنہا چھوڑنا، غالباً عربی عبارت میں یہ لفظ طبع ہونے سے رہ گیا ہے۔

Marfat.com

وخالف فی ذلک المالکیۃ فذھبوا الی ان للزوجۃ ان تطلب التفریق اذا ضارھا الزوج فاساء معاملتھا بان قطع کلامہ عنھا او ولّی وجھہ عنھا فی الفراش او ضربھا او شتمھا شتما مقذعا او اکرھھا علی محرم او ھجرھا بغیر تادیب مع اقامتہ فی البلد او اثر امرأۃ علیھا او منعھا من زیارۃ والدیھا او اخذ مالھا او تصل شتمالھا وما الی ذلک امام القاضی و طلبت منہ ان یفرق بینھما لھذا الضرر۔ فان اثبتت ان زوجھا اتی ذلک معھا ولو مرۃ واحدۃ علی المشھور فی المذھب طلقھا القاضی طلقۃ بائنۃ لخبر "لاضرر ولاضرار" (ایضاً صفحہ ۳۰۸)

مالک نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے یہ راہ اختیار کی ہے اگر شوہر بیوی کو کچھ تکلیف پہنچائے۔ اور اس کے ساتھ برا برتاؤ کرے مثلاً بول چال بند کردے یا بستر پہ اس سے بے رخی برتے یا اسے مارے پیٹے یا فحش گالیاں دے یا کسی ناجائز کام پر مجبور کرے یا بلا کسی تادیبی غرض کے تنہا چھوڑ دے باوجود اس کے کہ دونوں ایک ہی شہر میں رہتے ہوں یا کسی دوسری عورت کو اس پر ترجیح دے یا اس کے والدین کی ملاقات سے اسے روکے یا اس کے مال پر قبضہ کرے یا اسے مسلسل گالیاں دیتا رہے اور اسی نوع کی ایسی تکلیفیں پہنچائے جن کا عام طور پر اس طبقے کے لوگوں میں رواج نہ ہو اور وہ نہ اس پر صبر کر سکتی ہو۔ نہ اس حالت میں اس کے ساتھ رہ سکتی ہو تو ان تمام صورتوں میں وہ اپنا دعویٰ قاضی کے پاس لے جائے گی اور وہ اس سے اس قسم کے ضرر کی بنا پر تفریق کا مطالبہ کرے گی۔ پھر اگر وہ یہ ثابت کردے کہ شوہر نے اس کے ساتھ ایک بار بھی اس قسم کا سلوک کیا ہے تو مالکیوں کا مشہور مذہب یہ ہے کہ قاضی اس کو ایک بائنہ طلاق دے دے گا کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ: لاضرر ولاضرار[۲۲] (نہ نقصان اٹھاؤ نہ نقصان پہنچاؤ)

---

۲۲ ابن ماجہ جلد ۲۔ صفحہ ۷۸۴

Marfat.com

قاضی کو خلع کے موقع پر تفریق کا حق دینے میں بعض فقہا نے عنت (نامردی) اور ایلا وغیرہ پر بھی قیاس کیا ہے اور یہ قیاس ہمارے نزدیک بالکل صحیح ہے۔

سعید بن جبیر کا مسلک جو اوپر مذکور ہے۔ ذرا مختلف الفاظ میں نقل کرنے کے بعد جصاص لکھتے ہیں:

قال ابو بکر هذا نظیر العنین والمجبوب والایلاء فی باب ان الحاکم هو الذی یتولی النظر فی ذلک [۲۳]

ابو بکر کہتے ہیں کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے نامرد مقطوع الذکر اور ایلا جیسے معاملات کی ہے جو میں حاکم ہی غور و فکر کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

گویا خلع کے بارے میں قاضی کے اختیارات کو نامرد، مقطوع الذکر اور ایلا (بلکہ لعان اور مفقود الخبر) پر بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اور اس قیاس میں ہم منفرد نہیں۔ سعید بن جبیر اور ابو بکر بھی یہی مسلک رکھتے ہیں۔

اب آیئے ایک سرسری نظر ایلا، لعان، عنت اور مفقود الخبر پر بھی ڈال کر دیکھ لیں کہ ان مسائل میں فقہا نے قاضی کے کیا اختیارات تعلیم کیے ہیں۔ اس سے خلع کے معاملے میں قاضی کے اختیارات کو قیاس کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔

ایلاء

زوج اپنی زوجہ کے پاس نہ جانے کی قسم کھالے تو اسے چار ماہ کے اندر اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر لینا چاہیئے۔ ورنہ چار ماہ ختم ہونے کے بعد یہی طلاق بائن ہو جائے گی لیکن یہ تفریق امام شافعی کے نزدیک از خود نہیں ہوگی بلکہ:

تبین بتفریق القاضی لانه مانع حقها فی الجماع فینوب القاضی منابه فی التسریح کما فی الجب والعنة۔ (ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۱)

"وہ قاضی کی تفریق کے بعد بائنہ ہوگی کیونکہ وہ (شوہر) عورت کے حق جماع کو روکتا ہے۔ لہٰذا قاضی اس جدائی میں شوہر کا قائم مقام ہو جائے گا جس طرح جب [۲۴]

---

۲۳ (احکام القرآن للجصاص جلد ۲، صفحہ ۲۳۱)

Marfat.com

اور نامردی کی صورت میں ہوتا ہے۔

مذہب مالکیہ

یہاں مالکیہ کا مذہب بھی سُن لیجیے:

فان امرہ الحاکم بالرجوع و امتنع امرہ بان یطلقھا۔ فان امتنع طلق علیہ الحاکم لحلفہ واحدۃ رجعیۃ وقیل لا یطلق الحاکم بل یامر الحاکم الزوجۃ ان تطلق نفسھا ثم یحکم بہ... فان لم یوجد حاکم فانہ تطلق علیہ جماعۃ المسلمین (الفقہ علی المذاھب الاربعۃ جلد ۴، صفحات ۴۸۰، ۴۸۱)

اگر قاضی ایلا کرنے والے شوہر کو رجوع کا حکم دے اور وہ رجوع نہ کرے تو وہ اسے طلاق دینے کا حکم دے گا۔ لیکن اگر وہ طلاق بھی نہ دے تو قاضی خود اسے ایک رجعی طلاق دے دے گا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ قاضی خود طلاق نہ دے گا بلکہ زوجہ کو حکم دے گا کہ وہ خود اپنے آپ کو طلاق دے دے۔ پھر قاضی اس پر طلاق کا حکم لگا دے گا..... اگر کہیں قاضی موجود نہ ہو تو مسلمانوں کی ایک جماعت اسے طلاق دے دے گی۔

مذہب حنابلہ

ذرا حنابلہ کا مسلک بھی غور سے سنیے۔

فان ابی بعدھا امرہ الحاکم بالطلاق فان لم یطلق طلقھا الحاکم علیہ واحدۃ او اثنتین او ثلاثا لان الحاکم قائم مقام الزوج فی ھٰذہ الحالۃ فھو یملک الطلقات الثلاث واذا قال الحاکم فسخت نکاحکما فانہ یصح ویکون ذلک فسخا لا طلاقا۔ ولیس للحاکم ان یامرہ بالطلاق الا اذا طلبت المرأۃ منہ ذلک (ایضاً صفحات ۴۸۷، ۴۸۸)[۲]

اگر (ایلا کرنے والا شوہر چار ماہ سے پہلے قاضی کے حکم کے مطابق) اپنی زوجہ سے

سکلا اس کے معنی ہیں مقطوع الذکر ہونا۔ ۲ ومثل ذلک ما اذا قال فرقت بینکما

Marfat.com

ہم آغوش ہونے سے انکار کرے تو قاضی اُسے طلاق دینے کا حکم دے گا۔ اگر وہ طلاق بھی نہ دے تو اس کی طرف سے خود قاضی ایک یا دو یا تین طلاقیں دے دے گا۔ کیونکہ اس صورت میں قاضی شوہر کا قائمقام ہے اور وہ تینوں طلاقوں کا مالک ہے اگر قاضی یہ کہہ دے کہ میں نے تم دونوں کا نکاح فسخ کر دیا تو یہ بھی صحیح ہوگا لیکن یہ فسخ ہوگا۔ طلاق نہیں ہوگی۔ اور یہی صورت (فسخ) ہوگی اگر قاضی یہ کہے گا کہ میں نے تم دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور قاضی زوج کو طلاق کا حکم اس وقت دے گا جب اس سے عورت اس کا مطالبہ کرے۔

آپ نے قاضی کے اختیارات ملاحظہ فرمائیے؟ وہ شوہر کو رجوع کا ورنہ طلاق کا حکم دے سکتا ہے۔ خود بھی ایک سے لے کر تین طلاقیں دے سکتا ہے۔ عورت کو یہ بھی حق دے سکتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو طلاق دے دے اور اگر قاضی کا وجود ہی نہ ہو تو مسلمانوں کی کسی معتبر جماعت کو بھی طلاق دینے کا حق ہوتا ہے۔

یہ ہیں مختلف ائمہ کے فیصلے ایلا کے بارے میں۔ ایلاء میں شوہر کو زوجہ سے ناراضی ہوتی ہے۔ لیکن عورت کا حق مارا جانا شریعت کو گوارا نہیں۔ پس اگر قاضی ہی اس مشکل کا حل پیدا نہ کر سکے تو وہ کس مرض کی دوا ہوگا؟ اب سوال یہ ہے کہ ایلاء میں جب قاضی کو یہ اختیار ہے۔ اور ایسا ہی اختیار طلاق و فسخ کا دوسرے مسائل میں بھی ہے (جن کا ذکر آگے ہے) تو خلع کے مسئلے میں اسے کس منطق سے بے اختیار قرار دیا جا سکتا ہے؟

ایلاء کے مسلک میں مالکیوں اور ظاہریوں کا اختلاف ہے دونوں کی دلیلیں بھی سن لیجیے۔

فان مالکا قال یطلق علیہ القاضی وقال اھل الظاھر یحبس حتی یطلقھا بنفسہ ..... فمن راعی الاصل المعروف فی الطلاق قال لا یقع طلاق الا من الزوج ومن راعی الضرر الداخل من ذلک علی النساء قال یطلق السلطان وھو نظر الی المصلحۃ العامۃ ھذا ھو الذی یعرف بالقیاس المرسل۔ ھا المنقول عن مالک العمل بہ۔ وکثیر من الفقھاء یابی ذلک۔ (بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۱۰۱)

Marfat.com

امام مالک تو کہتے ہیں کہ قاضی ہی شوہر کی بجائے اسے طلاق دے دے گا۔ اور اہل ظاہر کا کہنا ہے کہ شوہر اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ خود طلاق نہ دے دے...... جو مسئلہ طلاق کی مشہور بنیاد کی رعایت کرتا ہے اس کا کہنا ہے کہ طلاق زوج ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے اور جس نے اس نقصان کی رعایت کی جو اس کی وجہ سے عورتوں کو پہنچتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ سلطان اس کی طرف سے طلاق دے دے۔ یہ مصلحت عامہ کا اظہار کرتا ہے اور اسی کو "قیاس مرسل" کہا جاتا ہے۔ امام مالک سے اس پر عمل منقول ہے لیکن بہت سے فقہا کو اس سے انکار ہے۔

لعان

شوہر اپنی زوجہ پر ناجائز تعلق کا الزام لگائے اور کوئی گواہ نہ پیش کر سکے تو قاضی ہی دونوں سے قسمیں لکھواتا ہے پھر قاضی ہی دونوں میں تفریق بھی کرا دیتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک اس بارے میں یہ ہے:

اذا التعنا لا یقع الفرقة حتی یفرق القاضی (رابیع ۲۹۵ ص ۲)

جب دونوں لعان کریں تو جب تک قاضی ان دونوں میں تفریق نہ کرائے تب تک جدائی واقع نہ ہوگی۔

اس تفریق کے لیے زوجین کی رضامندی بھی ضروری نہیں

وان لم یرضیا بالفرقة[۲۲۵] "اگرچہ دونوں (زوجین) جدائی پر راضی نہ ہوں"

بلکہ اگر قاضی کی تفریق سے پہلے زوجین میں سے کوئی ایک مر جائے تو توارث باقی رہے گا:

لو مات احدھما بعد الفراغ من التلاعن قبل تفریق الحاکم توارثا[۲۲۶]

لعان ختم ہونے کے بعد قاضی کی تفریق سے پہلے اگر دونوں میں سے کوئی مر جائے تو دوسرا وارث ہوگا۔

---

۲۲۵ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد ۲ ص ۱۳۰ (۹)

۲۲۶ عنایہ حاشیہ ھدایہ، جلد ۲ صفحہ ۳۹۸، حاشیہ ۵)

Marfat.com

یہی مسلک امام احمد بن حنبل اور امام سفیان ثوری کا بھی ہے:

لا یقع (الفرقة) الا بحکم حاکم وبہ قال الثوری واحمد۔[۲۷]

قاضی کے فیصلے کے بغیر تفریق نہیں ہوگی ثوری واحمد کا بھی یہی مسلک ہے

عُنّہ (نامردی)

اگر شوہر نامرد ہو تو قاضی علاج کے لیے ایک معینہ مدت تک مہلت دے گا اگر وہ جماع پر قادر نہ ہو سکے تو تفریق کرا دے گا۔

واذا کان الزوج عنینا اجّلہ الحاکم سنۃ فان وصل الیھا فبھا والا فرق بینھما[۲۸] (ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۰)

اگر زوج نامرد ہو تو قاضی اسے (علاج کے لیے) ایک سال کی مہلت دے گا پھر اگر اس نے ہم آغوشی کر لی تو فبہا ورنہ ان دونوں میں تفریق کرا دے گا۔

مفقود الخبر

شوہر اگر غائب ہو جائے اور اس کا کوئی پتہ نہ چلے تو ایک خاص مدت تک عورت انتظار کرتی ہے اس کے بعد اسے مُردہ فرض کر کے عدتِ وفات گزارتی ہے۔ لیکن مُردہ قرار دینا خود عورت کا اختیار نہیں بلکہ:

ھل یحتاج ذٰلک الی القضاء فیہ قولان۔ والذی اختارہ فی القنیۃ وغیرھا انہ یحتاج ذٰلک الی القضاء لان موتہ امر محتمل فما لم ینضم الیہ القضاء لا یکون حجۃ۔[۲۹]

آیا یہ معاملہ قضائے قاضی کا محتاج ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ مؤلف "قنیہ" وغیرہ نے جو مسلک اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قضائے قاضی کا محتاج ہے کیونکہ شوہر کی موت ایک مشکوک بات ہے لہٰذا جب تک قضا اس میں شامل نہ ہو یہ حجت نہ ہو سکے گی۔

ایک اور چیز بھی غور طلب ہے کہ خلع اور نامردی کے مسئلے میں تو عورت کو مرد سے شکایت

---

۲۷ (ہدایۃ المجتہد جلد ۲، صفحہ ۱۲)

۲۸ (عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۳، حاشیہ ۳)

Marfat.com

ہوتی ہے لیکن اس کے برعکس لعان اور ایلا میں مرد کو عورت سے شکوہ ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ قاضی کو جو اختیارات تین چیزوں ——— عُنّہ، لعان اور ایلا ——— میں حاصل ہوتے ہیں، وہ چوتھی چیز یعنی خلع میں کیوں نہ حاصل ہوں گے؟ اس کے علاوہ ایک نکتہ خصوصی طور پر غور و فکر کا محتاج ہے کہ لعان کے مسئلے میں اگر میاں بیوی دونوں کے دونوں جدائی ناپسند کرتے ہوں جب بھی قاضی تفریق کرا دیتا ہے[۲۹] تو خلع میں جب کہ ایک فریق یعنی شوہر جدائی پر راضی نہ ہو اور دوسرا فریق یعنی بیوی جدائی پر اصرار کر رہی ہو تو قاضی کو تفریق کا حق کیوں حاصل نہیں ہو سکتا؟ خصوصاً جب کہ ابن ماجہ کی حدیثِ حبیبہ میں "ففراق بینہما" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے صریح الفاظ موجود ہیں (جیسا کہ ہم شروع میں نقل کر آئے ہیں) اور سعید بن جبیر کا مسلک بھی خلع کے بارے اوپر بتا چکے ہیں۔ اور حکمین کو جب قاضی تفریق کا اختیار دے سکتا ہے (جیسا کہ سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، ابو سلمہ، شعبی، نخعی، مالک، اوزاعی اور اسحاق کا مسلک اوپر مذکور ہو چکا ہے اور شافعیؒ و احمد کا بھی ایک قول ایسا ہی موجود ہے اور اہل مدینہ کا اس پر عمل ہو رہا ہے!) تو خود قاضی اس حقِ تفریق سے کیونکر محروم رہ سکتا ہے؟

---

۲۹ جیسا کہ عمدۃ الرعایۃ کی مذکورہ بالا عبارت (وان لم یرضیا بالفرقۃ) سے واضح ہے۔

Marfat.com

(۴)

نشے میں طلاق

بھارت سے ایک استفتا آیا ہے جس میں یہ سوال کیا گیا ہے کہ سکران (جو نشے میں ہو) کی طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

جواب

ا :۔ حضرت عمرؓ، عطا، مجاہد، حسن، ابن سیرین، ابن مسیب، عمر بن عبدالعزیز، سلیمان ابن یسار، نخعی، زہری، شعبی، امام مالک، میمون بن مہران، حمید بن عبدالرحمٰن، قتادہ، سلیمان بن حرب، ثوری، حسن بن حی، اوزاعی، ابن شبرمہ وغیرہ اس کے قائل ہیں کہ نشے میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

ب : حضرت عثمانؓ، عکرمہ، طاؤس، ابن عباس وغیرہ نشے کی طلاق کو صحیح نہیں سمجھتے۔

ج : امام شافعی اور امام احمد، جابر بن زید وغیرہ سے دونوں طرح کے قول منقول ہیں۔

یہ تمام تفصیلات نصب الرایہ ج ۳، ص ۲۲۴ شائع کردہ مجلس علمی ڈھابیل ۱۳۵۷ھ میں موجود ہیں۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو:

اخرج ابن ابی شیبۃ فی مصنّفہ عن عمر اجاز طلاق السکران بشھادۃ نسوۃ واخرج عن عطاء ومجاھد والحسن وابن سیرین وابن المسیب وعمر بن عبد العزیز وسلیمان بن یسار والنخعی والزھری والشعبی قالوا: یجوز طلاقہ واخرج

Marfat.com

عن الحکم قال : من طلق فی سکر من اللہ فلیس طلاقہ بشیءٍ و من طلق فی سکر من الشیطان فطلاقہ جائز۔ و اخرج عن عثمان انہ کان لا یجیز طلاق سکران و ان عمر بن عبد العزیز کان یجیزہ حتی حدثہ ابان بذلک ۔ و اخرج عن جابر بن زید و عکرمۃ وطاؤس کانوا لا یجیزونہ ۔ و اخرج مالک فی الموطا عن سعید بن المسیب و سلیمان بن یسار انہ سئلا عن طلاق السکران فقالا : اذا طلق السکران جاز طلاقہ و ان قتل قتل ۔ قال مالک و ذلک الامر عندنا ۔

"مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے عورتوں کی شہادت پر نشے کی طلاق کو نافذ قرار دیا ہے ۔ ابن ابی شیبہ نے عطا، مجاہد، حسن، ابن سیرین، ابن مسیب عمر بن عبدالعزیز، سلیمان بن یسار نخعی، زہری شعبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ حضرات بھی نشے کی طلاق کو نافذ قرار دیتے ہیں"۔ پھر حکم کا قول نقل کرتے ہیں کہ :

"اگر نشہ اللہ کی طرف سے ہو تو اس حالت میں طلاق کا کوئی اثر نہیں ہوگا ۔ اور اگر شیطان کی طرف سے ہو تو طلاق واقع ہوگی"۔

حضرت عثمانؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپؓ سکران کی طلاق کو بے اثر قرار دیتے تھے ۔ مگر عمر بن عبدالعزیز اسے نافذ قرار دیتے تھے اور اس مسئلے پر ابان نے ان سے گفتگو کی ۔ جابر بن زید، عکرمہ اور طاؤس کے بارے میں ابن ابی شیبہ یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ یہ حضرات ایسی طلاق کو نافذ نہیں قرار دیتے تھے ۔ امام مالکؒ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار سے طلاقِ سکران کے بارے میں دریافت کیا گیا تو دونوں نے کہا سکران اگر طلاق دے تو یہ پڑ جائے گی اور اگر وہ قتل کرے تو اسے قتل کیا جائے گا ۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہی بات صحیح ہے ۔

پھر حاشیہ علیٰ کی عبارت یہ ہے :

Marfat.com

وفی المحلّی ج ۱ ص ۲۰۸ - وجوزہ میمون بن مهران وحمید بن عبد الرحمٰن وقتادہ وجابر بن زید والثوری والحسن بن حی والشافعی فی احد قولیه وقال مالک : طلاق السکران وجمیع افعاله جائزة الا الردة وزاد ابن قدامة فی المغنی ج ۸ ص ۲۵۴، والاوزاعی وابن شبرمة واحمد فی روایة سلیمان بن حرب -

محلّی ج ۲، ص ۲۰۸ میں ہے کہ میمون بن مہران، حمید بن عبدالرحمٰن قتادہ، جابر بن زید ثوری، حسن بن حی، اور ایک قول کے مطابق امام شافعی بھی، یہی طلاق کو نافذ مانتے ہیں - امام مالک کا کہنا ہے کہ سکران کی طلاق بلکہ اس کے تمام کام موثر نافذ ہوں گے بجز ارتداد کے — ابن قدامہ نے مغنی ج ۸، ص ۲۵۴ میں اوزاعی، ابن شبرمہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد اور سلیمان بن حرب کے ناموں کا بھی اضافہ کیا ہے -

اب ان احادیث پر نظر ڈالیے تو یہ روایتیں ملتی ہیں :

۱- ان القلم مرفوع عن ثلاثة : عن المجنون حتی یبرأ وعن النائم حتی یستیقظ وعن الصبیّ حتی یعقل (ابوداؤد عن ابن عباس)

"تین قسم کے آدمیوں پر شرعی گرفت نہیں مجنون پر تندرست ہونے تک، سونے والے پر جاگنے تک، اور لڑکے پر عقل آنے تک -

۲- حضرت علی کا یہ قول بخاری، ترمذی اور ابن ماجہ کی کتاب الطلاق میں موجود ہے کہ:
کل الطلاق جائز الا طلاق المعتوہ -

معتوہ کے سوا سب طلاقیں نافذ ہوں گی - (معتوہ کے معنی ہیں نیم پاگل جو کبھی ہوش میں ہو کبھی مجنون ہو جاتے) -

۳- حضرت عثمانؓ کا قول بخاری کتاب الطلاق میں یوں ہے :
لیس لمجنون ولا لسکران طلاق -

Marfat.com

مجنون اور سکران کی طلاق کوئی طلاق نہیں۔

۴۔ حضرت عائشہ کا قول ابوداؤد (کتاب الطلاق) میں یوں ہے:

لا طلاق ولا عتاق فی غلاق۔

سخت غصے کی طلاق اور عتاق دونوں بے اثر ہیں۔ (ابوداؤد نے غلاق کا مطلب غصہ بتایا ہے)

۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا قول بخاری کتاب الطلاق میں یوں ہے:

طلاق السکران و المستکرہ لیس بجائز۔

نشے اور جبر کی طلاق درست نہیں۔

۶۔ حضرت ابوہریرہؓ کا قول ترمذی کتاب الطلاق اور ابوداؤد کتاب الحدود میں یوں ہے:

کل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ والمغلوب علی عقلہ

معتوہ (نیم پاگل) اور مغلوب العقل کے سوا سب طلاقیں نافذ ہوں گی۔

ان روایات میں جو چیز نقطۂ ماسکہ کی حیثیت رکھتی ہے وہ ہے: المغلوب علی عقلہ یعنی جس کی عقل مغلوب ہو جائے۔

مغلوب العقلی کی بہت سی صورتیں ہیں۔ سخت غصے میں اچانک حادثے میں، فکر و رنج میں، ہذیان میں، جنون میں، نیند میں، بے ہوشی میں، سخت تکلیف میں، انسان بعض اوقات اس طرح اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے کہ اس کی عقل کام نہیں کرتی، اس وقت اس کا کوئی فیصلہ درست نہیں ہوتا۔ بالکل یہی صورت اس وقت بھی ہوتی ہے جب انسان نشہ پی کر بدمست ہو جاتا ہے۔ انسان ازخود پاگل ہو گیا ہو، یا کوئی دوائی کھا کر اپنے آپ کو پاگل کر لیا ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح مرض کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا ہو یا کوئی دوا کھا کر بالقصد بے ہوش ہو گیا ہو۔ دونوں نتائج کے اعتبار سے یکساں ہیں۔ یہی صورت اس وقت بھی ہوگی جب کسی نے دھوکے سے نشہ پی لیا ہو، یا جان بوجھ کر نشہ پیدا کر لیا ہو۔ دونوں کا حکم ازروئے نتائج یکساں ہونے چاہئیں۔

Marfat.com

یہ الگ بات ہے کہ بالقصد اپنے کو پاگل یا بے ہوش یا بدمست کرنے کی سزا اسے دی جائے گی لیکن اس مغلوب العقلی کی حالت میں جو نتائج ہوں گے ان میں خطا و عمد کا کوئی فرق نہیں۔ از روئے حدیث عقل آنے سے پہلے مجنون اور جاگ جانے سے پہلے سویا ہوا شرعی گرفت کا مستحق نہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ بدمست کو اس کلیے سے باہر شمار کیا جائے۔

جب ہم قرآن مجید کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ اس نے طلاق کا جو نقشۂ عمل (پروسیجر) بتایا ہے اس کا مقصد بے سوچے سمجھے طلاق دینے میں رکاوٹیں پیدا کرنا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ نکاح بھی سوچ سمجھ کر کیا جائے اور طلاق بھی غور و فکر کے بعد دی جائے۔ نیند، جنون، ہذیان، بے ہوشی یا سخت تکلیف کی مغلوب العقلی کی حالت میں اگر ایجاب و قبول ہو جانے تو کیا وہ نکاح منعقد ہو جائے گا؟ کسی کو نشے میں بدمست کر کے نکاح پڑھا دیا جائے تو کیا وہ نکاح صحیح ہوگا؟ صحیح بات تو یہ ہے کہ ہوش و حواس اور ارادہ و نیت کو نکاح میں اتنا زیادہ دخل نہیں جتنا طلاق میں ہے۔ طلاق دینے کے لیے کتاب و سنت نے جو طریقہ بتایا ہے وہ یہ ہے کہ اگر زوجین میں اختلاف ہو جائے تو دونوں میں مصالحت کرانے کے لیے دونوں فریق کی طرف سے ایک ایک حکم لیا جائے۔ وہ دونوں ہر ایک کا بیان سن کر مصالحت کی کوشش کریں (فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما) پھر یہ ارشادِ نبویؐ ہے کہ طلاق احسن دی جائے یعنی طہر بلا وطی میں ایک طلاق دے کر عدت تک چھوڑ دیا جائے۔ پھر قرآنی حکم ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں طلاق دی جائے۔ واشھدوا ذوی عدل منکم۔ (دو عادل گواہوں کی موجودگی میں طلاق دو)

اور قرآنی حکم ہے کہ دورانِ عدت زوجین ایک ہی گھر میں رہیں اور اخراجات شوہر کے ذمے ہوں گے: واسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن)

Marfat.com

پھر قرآنی تصریح یہ بھی ہے کہ ایک طلاق کو مؤکد کرنے کے لیے اگر دوسرے طہر بے وطی میں بھی ایک اور طلاق دے دی جائے تو اس کے بعد تیسرے طہر تک انتظار کیا جائے۔ اس طہر کے آنے سے پہلے یا تو رجوع کر لیا جائے یا (بغیر طلاق دیئے) چھوڑ دیا جائے یعنی عدت ختم ہونے دی جائے۔ الطلاق مرتٰن فامساك بمعروف او تسریحٌ باحسان (طلاقیں صرف دو ہیں۔ اس کے بعد یا روک لینا ہے یا چھوڑ دینا) یہ طلاق بائن ہو جائے گی جس کے بعد تجدید نکاح کا موقع باقی رہتا ہے۔

ذرا غور کیجیے! یہ تین قروء کی لمبی میعاد اور طلاق کا یہ طریقہ (پروسیجر) کیا محض اس لیے نہیں کہ طلاق کسی فوری جذبے کے تحت نہ ہو بلکہ ہوش و حواس کی قائمی کے ساتھ ہو، سوچ سمجھ کر، مستقبل کے تمام نشیب و فراز اور عواقب و نتائج پر غور و فکر کرنے کے بعد ہو؟ کہاں کتاب و سنت کا یہ اندازہ اور کہاں نشے کی طلاق، جس میں اسے کچھ معلوم نہیں کہ جو طلاق وہ دے رہا ہے وہ رجعی ہے یا بائن یا بتّہ ہے۔ بلکہ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ طلاق دے رہا ہے یا نکاح پڑھا جا رہا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اسے نشے خوری کی سزا ملنی چاہیے لیکن اس کی سزا چالیس یا اسّی دُرّے کی شکل میں ہونا چاہیے نہ کہ بیوی کی جدائی کی صورت میں۔ یہ تفریق تو خود نشے سے بھی زیادہ بدتر کام ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مغلوب العقلی کی کوئی سی بھی شکل ہو اس میں طلاق کا مؤثر یا نافذ ہونا کوئی جاندار فتویٰ نہیں۔

ہم اس موقع پر ایک گزارش اور بھی کریں گے کہ جو حضرات ایسے نشے کی طلاق کو نافذ خیال کرتے ہیں وہ کم از کم اتنی عنایت ضرور کریں کہ اسے رجعی قرار دیں خواہ اس نے نشے کی حالت میں کتنی ہی طلاقیں دی ہوں اس میں یہ امکان تو رہے گا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد رجوع کر سکے گا۔ یوں بھی واقعہ یہ ہے کہ تین طلاقیں بیک مجلس رجعی ہی ہوتی ہیں مغلظہ نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ ہم اسی کتاب میں واضح کر چکے ہیں۔

اب رہا یہ کہ نشے کی حدود کیا ہیں تو فقہا کے نزدیک نشے خوار پر شرعی تعزیر اس

Marfat.com

وقت نافذ ہوگی جب وہ زمین و آسمان، مرد و زن میں کوئی تمیز نہ کر سکے۔ بفحوائے ادرؤا الحدود عن الشبہات (معمولی شبہ پر بھی حدود کو ٹال جاؤ) سزا سے بچانے کے لیے تو یہ شرط کہ زن و مرد اور زمین و آسمان میں تمیز نہ کر سکے۔ بڑی حد تک مانی جا سکتی ہے لیکن طلاق کے باب میں اس حد تک جانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے کم درجے کا بھی نشہ ہو تو طلاق کو غیر مؤثر ہی ہونا چاہیے۔ نشے کی آخری اور درمیانی حدود میں وہی فرق ہے جو جنون اور عتاہت میں ہے۔ اور از روئے احادیث مجنون اور معتوہ دونوں کی طلاق غیر مؤثر و غیر نافذ ہے۔ اسی طرح نشے کی آخری حد اور درمیانی حد دونوں کی طلاقوں کو غیر مؤثر سمجھنا چاہیے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ نابالغ کی طلاق کو ہمارے فقہا غیر مؤثر مانتے ہیں تا آنکہ وہ عاقل و بالغ نہ ہو جائے اور بدمست کی طلاق کو مؤثر تسلیم کرتے ہیں حالانکہ ایک نابالغ لڑکا ایک بدمست سے زیادہ عقل رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغلوب العقل کا کوئی عقد بھی منعقد نہیں ہوتا۔ نہ عقد بیع نہ عقد نکاح اور نہ طلاق۔ جنون یا عتاہت میں، نیند میں، بے ہوشی میں، ہذیان میں بدحواسی میں (خواہ وہ اچانک حادثے کی وجہ سے ہو یا انتہائی غم و فکر یا شدید کرب، یا پاگل بنا دینے والے غصے کے سبب سے ہو) کوئی خرید و فروخت کا سودا معتبر نہیں۔ اسی طرح مغلوب العقل کی حالت میں طلاق کو بھی غیر معتبر ہی سمجھنا چاہیے۔

یوں تو ہر مسئلے میں اختلاف موجود ہیں لیکن فیصلے کے لیے کسی ایک کو ترجیح دینی پڑے گی۔ نشے کی طلاق کو مؤثر ماننے والے فقہا بہت ہیں۔ لیکن میرا ذاتی رجحان حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، عکرمہ، طاؤس اور جابر بن زید رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فتاویٰ کی طرف ہے۔ یا امام شافعی یا امام احمد بن حنبل کے ان اقوال کی طرف ہے جن میں وہ نشے کی طلاق کو غیر مؤثر تسلیم کرتے ہیں۔ میرے اس رجحان کی وجہ کتاب و سنت کا بتایا ہوا وہ طریقۂ طلاق ہے جس سے بے سوچے سمجھے طلاق کی نفی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ مغلوب العقل خواہ کسی وجہ سے

Marfat.com

ہو اس ہوش و حواس کے خلاف ہے جو تمام عقود کی جان ہے۔

اس سلسلے میں فقہا کی کچھ مزید تصریحات بھی سن لیجیے۔ یہ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴ ص۲۸۱ تا ص۲۸۴ کا خلاصہ ہے:

۱- اگر کوئی جان بوجھ کر نشہ پیدا کرے تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر ازالہ مرض کے لیے استعمال کرے یا یہ گمان ہو کہ اس مقدار سے یا اس چیز سے نشہ نہ آئے گا لیکن آجائے تو اس کی طلاق نہیں واقع ہوگی۔

۲- اگر ایسی نشہ آور چیز استعمال کرے جس کا استعمال گناہ ہے تو فان طلاقہ یقع علیہ زجراً لہ۔ یہ طلاق زجراً یا تنبیہاً واقع ہوگی۔ اور اگر اس کا استعمال گناہ کے ضمن میں نہ آتا ہو تو طلاق نہیں واقع ہوگی۔

۳- ...... اذا شرب حشیشا وجن جنوناً تاما فان طلاقہ لا یقع۔ اگر حشیش پی کر مکمل پاگل ہو جائے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۴- امام اعظمؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو نشہ استعمال کر کے ہذیان بکنے لگے اس کی طلاق واقع ہو جائے گی لیکن اگر وہ اس حد تک پہنچ جائے کہ گویا پاگل ہو جائے اور آسمان اور زمین یا زن و مرد میں تمیز نہ کر سکے فانہ لا یترتب علیہ وقوع الطلاق اتفاقاً۔ تو بالاتفاق اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

نیز اگر کسی کو علم ہو کہ اس چیز سے نشہ پیدا ہو کر عقل جاتی رہے گی تو اس کی طلاق واقع ہوگی لیکن اگر اس کو معلوم ہو یا ظن غالب ہو کہ اس سے اس حد تک نشہ نہیں پیدا ہوگا مگر پیدا ہو جائے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ہمیں ان تمام تصریحات کی روشنی میں از سرِ نو غور کرنا چاہیے کہ طلاق سکران واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ ہم اپنے فہم کے مطابق اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سکران کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر ہوگی تو دورانِ عدت بہرحال وہ رجعی اور بعد عدت بائن ہوگی۔ مغلظہ کسی صورت نہیں ہوگی۔

Marfat.com

(۵)

رسم جہیز اور مسلمان

"جہیز پر ہماری شائع کردہ کتاب مقالات میں ایک مفصل مضمون شائع ہو چکا ہے۔ اسے پڑھ لینا بھی مفید ہوگا۔ مندرجہ ذیل مضمون پر بعض جدید نکات سامنے آئے ہیں اور وہ قابل غور ہیں۔"

جب ہم کسی فرد یا جماعت کو کسی مقصد کے لیے تیار کرتے ہیں تو اس مقصد کے مطابق ضروری سازوسامان مہیا کرتے ہیں۔ اگر طالب علم پڑھنے جا رہا ہو تو اس کا سامان پڑھنے لکھنے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ اگر کوئی سفر پہ جا رہا ہو تو رختِ سفر باندھنا اس کی تیاری ہوتی ہے۔ اگر جنگ کے لیے جا رہا ہو تو خورد و نوش، اسلحہ اور سواری وغیرہ مہیا کرتے ہیں۔ اگر کوئی قبر میں دفن ہونے جا رہا ہو تو اس کے کفن دفن کا سامان کرتے ہیں۔ اگر کوئی دلہن رخصت ہو رہی ہو تو اس کا بناؤ سنگھار کرتے ہیں۔ غرض جس شخص کو کسی مقصد کے لیے تیار کرتے ہیں اسی تیاری کو عربی میں تجہیز کہتے ہیں۔ البستان میں ہے:

۱۔ جھز القوم: اذ تکلف لھم جھازھم للسفر۔ جب ایک جماعت کے لیے رختِ سفر مہیا کیا جائے تو کہیں گے جھز القوم۔

۲۔ جھز الغازی۔ اعدّ ما یحتاج الیہ فی غزوتہ۔ جھز الغازی کا مطلب ہے غازی کے لیے سامانِ حرب مہیا کرنا۔

۳۔ جھز فلانا ھیأ لہ جھاز سفرہ۔ جھز فلانا کے معنی ہیں فلاں کے لیے رختِ سفر مہیا کرنا۔

۴۔ جھز العروس اعدّ جھازھا۔ جھز العروس کے معنی ہیں دلہن کا

Marfat.com

سامان مہیا کرنا۔

۵۔ جھز المیت ارصد له اُھبتۃ من کفن وغیرہ ۔ جھز المیت کا مطلب ہے مُردے کے کفن وغیرہ کا سامان مہیا کرنا۔

اس تصریح سے واضح ہو گیا ہو گا کہ جھز تجہیزاً کے معنی ہیں کسی مقصد کے لیے کسی کو تیار کرنا۔ اس تیاری کے سازو سامان کو عربی میں جَھاز اور جِھاز (جیم کے زبر اور زیر سے) کہتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ عبداللہ لبنانی البستان میں لکھتے ہیں:

الجھاز للمیت والعروس والمسافر بالکسر والفتح مایحتاجون الیه۔

"جہاز (جیم کے زیر اور زبر سے) مُردے، دُلہن اور مسافر کے لیے وہ چیز ہے جس کی ان تینوں کو ضرورت ہے۔"

قرآن میں ہے: فلما جھزھم بجھازھم الخ یعنی حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کا سامان (راشن) تیار کر دیا۔ اس کا یہ مطلب کون لے سکتا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کا "سامانِ جہیز" مہیا فرما دیا؟

اسی لفظ جہاز کو امالہ کر کے "جہیز" بنا لیا گیا ہے۔ جیسے رکابی سے رکیبی، جلابی سے جلیبی۔ اور ماشاء اللہ سے ماشے اللہ بنا لیا گیا ہے۔ یہ لفظ جہیز (بواؤ مجہول) نہ عربی ہے نہ فارسی بلکہ اردو ہے۔ عربی میں جھیز (بواؤ معروف) ہے جس کے معنی ہیں ہلکا تیز رفتار گھوڑا۔ موتٌ جھیز" کے معنی ہیں اچانک مرگ۔

یہ لفظ "جہیز" اب ایک مخصوص اصطلاح بن گئی ہے یعنی جہیز اس تمام سازوسامان کو کہتے ہیں جو ماں باپ (یا ان کے قائم مقام ولی) اپنی جیب سے رخصتی کے وقت دُلہن کے ساتھ کر دیتے ہیں۔ اس میں بستر، پلنگ کپڑے زیور، سنگھار کے سامان چولہا، توا پکانے اور کھانے کے برتن وغیرہ ہوتے ہیں اور اب سلائی کی مشین، ریڈیو سیٹ، ٹیلی ویژن سیٹ اور سوفہ سیٹ وغیرہ بھی ہوتا ہے۔ اس سازوسامان کا نام جہیز ہے۔ دلہن کے دوسرے رشتے دار جو تحائف پیش کرتے ہیں ان کا شمار

Marfat.com

جہیز میں نہیں ۔شادی کے موقع پہ ہر برادری کا ایک اور رواج بھی ہے کہ باراتی طعام کے وقت دلہن والوں کے رشتہ دار اور دعوتِ ولیمہ کے وقت دولہا کے رشتہ دار کچھ رقمیں بھی پیش کرتے ہیں جسے نیوتا کہتے ہیں۔ بعض جگہ مانجھا (جوڑا) دینے کا بھی رواج ہے۔

والدین کا لڑکی کو جہیز دینا یا دوستوں کا تحائف پیش کرنا یا نیوتا یا مانجھا دینا یہ سب ایسی رسمیں ہیں جو کسی افادی نقطۂ نظر سے ایجاد ہوئی ہیں۔ تاہم کسی رسم کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سنتِ رسولؐ اور لازمۂ شادی ہے۔ اسلامی شریعت میں نکاح کے بعد عروس کی تمام ضروریات کی ذمے داری شوہر کے سر آجاتی ہے۔ ان ضروریات میں حسبِ استطاعت مکان، لباس، خوراک، اثاث البیت وغیرہ سب کچھ آجاتا ہے۔ اس کی ذمے داری ماں باپ (یا ان کے قائم مقام ولی) پہ نہیں رہتی۔ اگر شوہر غیر مستطیع ہو اور والدین صاحبِ استطاعت ہوں تو بیٹی یا داماد کی امداد کرنا بہت بڑی نیکی بھی ہے اور والدین کی محبت کا ایک فطری تقاضا بھی۔ والدین پیدا ہونے کے بعد سے جوانی تک اپنی بیٹی کو بہت کچھ دیتے رہتے ہیں۔ اگر بیاہے جانے کے بعد بھی کچھ دے دیں تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے؟ شادی سے پہلے اور شادی ہو چکنے کے بعد والدین جو کچھ بھی اپنی بیٹی کو دیتے رہتے ہیں اسے کوئی جہیز نہیں کہتا۔ جہیز صرف اس ساز و سامان کو کہا جاتا ہے جو بیاہتے وقت دیا جاتا ہے۔ حالانکہ شادی کے وقت جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بھی اسی طرح کی ایک امداد ہے جس طرح شادی سے پہلے اور شادی ہو چکنے کے بعد کچھ دینا ایک امداد ہے۔ خاص شادی کے وقت کچھ دینا نہ سنتِ رسولؐ ہے نہ سنتِ صحابہ۔ نہ لازمہ شادی نہ جزوِ نکاح۔

شادی کے وقت ساز و سامان مہیا کرنے کے لیے ہم نے جو ایک اصطلاح "جہیز" کی بنالی ہے وہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو شریعتِ اسلامیہ اور اسلامی تاریخ میں کبھی متعارف نہیں رہی ہے۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل نکات پہ غور کیجیے:

۱۔ اصطلاحِ جہیز کے لیے عربی زبان میں کوئی لفظ ہی موجود نہیں۔ لفظ جہاز

Marfat.com

کے متعلق ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ ہر قسم کے رخصت کے لیے ہے صرف دلہن کے لیے نہیں۔ ہاں اب جہیز کے لیے ایک عربی لفظ ایجاد ہوا ہے اور وہ ہے بائنہ۔ لیکن یہ لفظ مُوَلّد ہے۔ مولد کے معنی یہ ہیں کہ اس معنی میں یہ لفظ قدیم عربی لغت میں موجود نہیں بلکہ اس کا شمار لغاتِ جدیدہ میں ہے جیسے من یاع کے معنی لاؤڈ سپیکر۔ مُدَمّر کے معنی بلڈوزر وغیرہ۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ جس مفہوم کے لیے عربی میں کوئی لفظ ہی موجود نہیں وہ سنتِ رسولؐ کیسے ہو جائے گا؟

۲۔ جہیز دینا اگر سنت ہوتا تو اس کا ذکر ان ہزاروں شادیوں میں موجود ہوتا جو عہدِ نبوت میں ہوئیں۔ حضورؐ نے اپنی حقیقی صاحبزادیوں کو بھی بیاہا۔ حضرت زینبؓ سیدنا ابو العاصؓ سے حضرات رقیہؓ و ام کلثومؓ کے یکے بعد دیگرے سیدنا عثمانؓ سے بیاہی گئیں لیکن کہیں جہیز کا ذکر نہیں آتا۔ خود حضورؐ کے کاشانے میں متعدد ازواجِ مطہرات آئیں لیکن جہیز ساتھ لانے کا ذکر موجود نہیں۔ اگر جہیز دینا سنت ہوتا تو ان ہزاروں شادیوں میں کہیں تو جہیز کا ذکر آتا۔ جو صحابہ نے کیں۔

۳۔ قرآن اور حدیث میں ازدواجی زندگی کی بہتیری جزئیات کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً مہر۔ تعدد ازدواج۔ باری مقرر کرنا۔ رضاعت کی اُجرت۔ مسکن اور نان نفقے کی ذمہ داری حسنِ سلوک اور دیگر حقوقِ زوجین، حلال و حرام رشتے، عدت، عقدِ ثانی، اولاد اور حضانت وغیرہ۔ غرض ازدواجی زندگی کے ایک ایک جزئیے کا ذکر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود ہے۔ لیکن جس چیز کا اشارۃً بھی ذکر نہیں ملتا وہ رسمِ جہیز ہے۔ انتہا یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں بھی کوئی باب الجہیز موجود نہیں۔ (متاخرین کے فتاوے میں اس کا ذکر ایک آدھ جگہ ملتا ہے لیکن یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے) پھر ایک ایسی شے کو سنت کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے جس کا کوئی ذکر کتاب و سنت اور فقہ میں موجود نہ ہو بلکہ اس مفہوم کے لیے عربی لغت میں کوئی لفظ ہی نہ پایا جاتا ہو۔

جہیز کے متعلق سنتِ رسولؐ ہونے کی غلط فہمی سننِ نسائی وغیرہ کی جس حدیث سے پیدا ہوئی وہ یوں ہے:

Marfat.com

جَهَّزَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ فی خمیل وقربۃ ووسادۃ حشوہا اذخر[1]

یعنی حضورؐ نے جناب فاطمہؓ کو تیار کیا ایک چادر مشکیزے اور ایک تکیے میں جس میں اذخر بھرا ہوا تھا۔

یہاں لفظ جَهَّزَ کا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ حضورؐ نے جہیز میں یہ یہ چیزیں دی تھیں جَهَّزَ کا مطلب صرف تیار کرنا ہے جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں۔ مطلب اس عبارت کا صرف یہ ہے کہ حضورؐ نے جب سیدہ فاطمہؓ کو رخصت کیا تو اس وقت یہ چیزیں مہیا فرمائیں۔ اس کا یہ مطلب ہی نہیں کہ جہیز میں یہ یہ چیزیں دیں۔

اس مفہوم کی روایت سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اس کے الفاظ پر ذرا غور کیجیے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی علیا وفاطمۃ وہما فی خمیل لہما قد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہزہما بہا ووسادۃ محشوۃ اذخراً وقربۃ[2]

"یعنی حضورؐ حضرت علیؓ و فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ان دونوں کے پاس ایک چادر تھی جو حضورؐ نے ان دونوں کو مہیا فرمائی تھی اور نیز ایک تکیہ تھا جس میں اذخر بھرا ہوا تھا اور ایک مشکیزہ تھا۔"

یہاں جہزہما کا لفظ ہے جس کے معنی محض یہ ہیں کہ حضورؐ نے ان دونوں کے لیے یہ چیز مہیا فرمائی تھی۔ اگر یہاں جہزہما کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ حضورؐ نے ان دونوں کو یہ چیز جہیز میں دی تھی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جہیز بیٹی کے علاوہ داماد کو بھی دیا جاتا ہے۔ جَهَّزَ کے معنی ہیں ھیأ، اعد، ارصد یعنی مہیا کیا تیار کیا جیسا کہ تمام لغات میں موجود ہے۔ "جہیز دینا" کے معنی میں یہ لفظ کبھی مستعمل ہی نہیں ہوا۔ جہیز کے مفہوم کے لیے تو عربی لغت میں کوئی لفظ ہی نہیں اور یہ مفہوم شرع میں کبھی متعارف ہی نہیں رہا ہے۔

جَهَّزَ کے لفظ کا ترجمہ "جہیز دینا" کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی لغات جدیدہ میں

---

[1] (نسائی جلد دوم ص ۷۵، طبع کراچی)

[2] (ابن ماجہ کتاب الزہد، باب ضجاع آل محمد ص ۱۳۹۰، حدیث نمبر ۵۲، مطبع عیسی البابی الحلبی)

Marfat.com

مدمّرہ کے معنی بلڈوزر دیکھ کر کوئی شخص فدمّرنٰھا تدمیراً کا ترجمہ یہ کرے کہ ہم نے بلڈوزر بھیج کر اس بستی کو تباہ کر دیا۔"

اب ایک ضروری نکتہ بھی سُن لیجیے کہ حضورؐ نے جو چیزیں حضرت فاطمہؓ (نیز حضرت علیؓ) کے لیے مہیا فرمائیں اس میں جہیز کے مفہوم کا شائبہ تک نہ تھا۔

۱- جہیز اصطلاح میں اس ساز و سامان کو کہتے ہیں جو باپ (یا ماں یا ان کے قائم مقام ولی) اپنی طرف سے اور اپنی جیب سے مہیا کرتے ہیں۔ حضورؐ نے جو کچھ مہیا فرمایا وہ اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ مہر کی رقم سے مہیا فرمایا تھا جو حضرت علیؓ نے رخصتی سے پہلے ہی حضورؐ کی خدمت میں حاضر کر دی تھی۔ اس کی تفصیل زرقانی اور روضۃ الصفا کے مؤلفوں سے سنیے:

المواھب اللدنیہ فی المنح المحمدیہ سیرتِ نبوی کی مشہور کتاب ہے جس کے مؤلف شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی ہیں۔ ان کی ولادت کا سن ۸۵۱ھ ہے اور سنہ وفات ۹۲۳ھ ہے۔ اس کتاب کی شرح کا نام ہے اشراف مصابیح السیر المحمدیہ بمزج اسرار المواھب اللدنیہ شارح کا نام محمد بن عبد الباقی بن یوسف زرقانی ہے۔ جن کی ولادت ۱۰۵۵ھ میں اور وفات ۱۱۲۲ھ میں ہوئی۔ یہ شرح زرقانی کے مختصر نام سے مشہور ہے۔ اس متن و شرح کا جو نسخہ اس وقت میرے سامنے ہے وہ مطبعہ ازہریہ مصریہ ۱۳۲۵ھ کا شائع کردہ ہے۔ اس کی جلد دوم صفحہ ۳ اور ۴ کی عبارت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ ذکر تزویج علی بفاطمۃ رضی اللہ عنہما کے عنوان کے تحت ہے۔ لکھتے ہیں:

حتیٰ اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت: تزوجنی فاطمۃ؟ قال عندک شئ؟ فقلت: فرسی وبدنی - قال: اما فرسک فلا بدلک منھا واما بدنک فبعھا فبعتھا من عثمان بن عفان - باربع مائۃ وثمانین درھما ثم ان عثمان ردّ الدرع الی علیؓ فجاء بالدرع والدراھم الی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فدعا لعثمان بدعوات کما فی روایۃ -

Marfat.com

فجئته بها فوضعتها فی حجره فقبض منها قبضة فقال: ای بلال ابتع لنا بها طیبا و فی روایة ابن ابی خیثمة عن علی: امرنی اللہ علیہ وسلم ان یجعل ثلث الاربعة مائة وثمانین فی الطیب . . . . وامرهم ان یجهزوها فجعل لها سریر مشرط و وسادة من ادم حشوها لیف - (نشان زدہ الفاظ متن کے ہیں اور خالی عبارت شرح کی ہے)

"یعنی آخر میں (علیؓ) نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا کہ: کیا حضورؐ فاطمہ کو مجھ سے بیاہنا پسند فرمائیں گے؟ حضورؐ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کچھ (مال) ہے؟ میں نے عرض کیا، میرا گھوڑا ہے یا زرہ - فرمایا: گھوڑے کی تو بہرحال تمہیں ضرورت رہے گی - رہی زرہ تو اسے فروخت کردو - چنانچہ میں نے عثمانؓ بن عفان کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں فروخت کردی - اس کے بعد عثمانؓ نے وہ زرہ بھی واپس کردی - حضرت علیؓ وہ زرہ اور رقم لے کر حضورؐ کی خدمت میں آئے - حضورؐ نے عثمانؓ کے حق میں دعائے خیر فرمائی جیسا کہ بعض روایات میں ہے - پھر میں (علیؓ) رقم لے کر آیا اور حضورؐ کی گود میں رکھ دی - حضورؐ نے اس میں سے ایک مٹھی بھر کر فرمایا کہ: بلال! اس رقم کی خوشبو خرید کر ہمارے پاس لے آؤ - ابن ابی خیثمہ نے حضرت علیؓ کی زبانی جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: حضورؐ نے حکم فرمایا کہ: ان چار سو اسی درہموں کی تہائی (ایک سو ساٹھ درہم) خوشبو میں صرف کی جائے..... پھر حضورؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ ان (فاطمہؓ) کا سامان مہیا کریں - چنانچہ انؓ کے لیے ایک بنی ہوئی چارپائی اور ایک چرمی تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری تھی تیار کیے گئے"

مذکورہ بالا عبارت تو مواہب اور اس کی شرح تھی - اب ایک اور کتاب کی عبارت بھی ملاحظہ ہو - اس کا نام ہے روضة الصفا فی سیرة الانبیا والملوک والخلفاء - اس کے مؤلف شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں اور کتاب فارسی زبان میں ہے جس کا وہ نسخہ میرے سامنے ہے جو نولکشور پریس نے رمضان ۱۳۰۸ھ مطابق مئی ۱۸۹۱ء میں شائع کیا ہے - اس کے مؤلف ہیں المورخ میر خواند محمد بن خاوند شاہ بن محمود سیدی - مؤلف کا سنہ وفات ۹۰۳ھ

Marfat.com

ہے۔ اس کی جلد دوم صفحہ ۷۴، ۵۷ کی عبارت یوں ہے:

"چوں حضرت علی فاطمہ را خواستگاری نمود حضرت رسولؐ فرمود کہ مہر او را چہ می سازی؟ جواب داد کہ نزد من چیزے نیست حضرت فرمود کہ زرہ حطمیہ تو کجاست؟ عرض کرد موجود است۔ حضرتؐ فرمود کہ آں را صداق سازد۔ گویند کہ حضرت علیؓ آں زرہ را بچہار صد و ہشتاد درہم بعثمان فروخت و آں زرہے بود فراخ و سنگین کہ ہیچ شمشیر بر او کارے نمی کرد۔ عثمان بعد از خریدن بحضرت علی بخشید و مرتضی علی زرہ و بہائے آں کہ چہار صد و ہشتاد درہم بود بخدمت مصطفیٰ آورد و حضرت در بارۂ عثمان دعا فرمود۔ روایتے آنست کہ دو دانگ وجہ مذکور را بخوئے خوش صرف کردند چہار دانگ او را چہار مصرف داشتند و از آں جملہ دو جامہ برد بود و دو بازو بند نقرہ و لحاف کتان و یک نہالے از آں جنس و جمعے دو نہالے گفتہ اند، و بعضے از جزئیات دیگر کہ محتاج الیہ بود از آں زر مرتب ساختند"

جب حضرت علیؓ نے فاطمہ زہرا کی خواہش ظاہر کی تو حضورؐ نے پوچھا کہ، ان کے مہر کے لیے کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں۔ فرمایا کہ: تمھاری وہ حُطمی زرہ کہاں ہے؟ عرض کیا: وہ تو موجود ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بس اسی کو مہر قرار دو، کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے وہ زرہ چار سو اسی درہم میں عثمان کے ہاتھ فروخت کی۔ وہ زرہ ایسی کشادہ اور سخت تھی کہ اس پر تلوار بھی کوئی اثر نہ کر سکتی تھی۔ عثمان نے وہ زرہ خریدنے کے بعد حضرت علیؓ کو واپس کر دی۔ علی مرتضیٰ وہ زرہ اور اس کی قیمت جو چار سو اسی درہم تھی لے کر محمد مصطفیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضورؐ نے عثمان کے حق میں دعا فرمائی۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضورؐ نے اس رقم کے دو حصے تو خوشبو میں صرف فرمائے اور چار حصے دوسرے چار مصرف میں۔ مثلاً دو جامہ بُرد (برد دھاری دار کپڑے کی ایک قسم ہے)۔ دو نقرئی بازو بند۔ ایک بستر کا لحاف اور اسی کا ایک تکیہ۔ بعض مورخین دو تکیے بتاتے ہیں اور بعض وہ چیزیں جن کی ضرورت تھی۔ یہ سب کچھ اسی رقم (مہر) سے حضور نے تیار فرمایا۔"

Marfat.com

مذکورہ بالا عربی اور فارسی عبارتوں کے بعد کسی مزید تشریح میں جانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ یہ بات واضح ہے کہ سارا اثاث البیت حضورؐ نے مہر فاطمہ ہی کی رقم سے مہیا فرمایا تھا۔ اب اگر کسی کو اس حقیقت سے انکار ہو تو یہ اس کا فرض ہے کہ وہ کوئی ایسی روایت دکھلائے جس میں یہ صراحت ہو کہ حضورؐ نے یہ سامان رقم مہر سے مہیا نہیں فرمایا تھا بلکہ اپنی جیب سے یہ رقم ادا فرمائی تھی۔ پس اگر جہیز دینا سنت ہے۔ (جو صرف حضرت فاطمہؓ کو دیا گیا اور کسی کو نہیں دیا گیا) تو پھر یہ بھی ضروری سنت ہے کہ باپ یہ سامان جہیز مہر کی رقم سے پورا کرے نہ کہ اپنی طرف سے۔

۲۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے اگر واقعتہً جہیز دینا سنت اور لازمۂ ازدواج ہے تو یہ صرف جناب فاطمہؓ کے ساتھ کیوں مخصوص رہا اور دوسری صاحب زادیوں کو یہ جہیز کیوں نہ دیا؟ نیز ازواج مطہرات اپنے ساتھ کوئی جہیز کیوں نہ لائیں؟ پھر اور ہزاروں صحابیات کے ازدواج کے ذکر میں کیوں جہیز کا کوئی ذکر نہیں ملتا؟ اس سوال کا جو جواب ہے اس سے خود ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضورؐ نے جو کچھ دیا وہ جہیز نہ تھا۔ بلکہ ایک مخصوص ضرورت یا۔EMERGENCY۔تھی۔ واقعات یوں ہیں کہ حضرت علیؓ کا کوئی الگ گھر نہ تھا جہاں وہ جناب فاطمہؓ کو لے جا کر آباد کرتے۔ گھر داماد کا کوئی رواج نہ تھا اور شادی کا مطلب ہی تھا ایک الگ گھر بسانا۔ حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری نے اپنا ایک گھر اس نئے جوڑے کے لیے پیش کیا۔ اس خالی گھر کو اثاث البیت کی بہر حال ضرورت تھی۔ یہی چند ضروریات خانہ داری اور کچھ دلہن کی تیاری تھی اور اس کو بھی حضورؐ نے مہر کی رقم سے پورا کیا۔ حضورؐ نے اپنی دوسری صاحبزادیوں کے لیے اتنا کچھ سامان بھی نہ کیا کیونکہ جہاں وہ رخصت ہو کر جا رہی تھیں وہ گھر پہلے سے موجود تھے اور اثاث البیت بھی موجود تھا۔ اگر حضرت علیؓ کا بھی کوئی گھر اور اثاث البیت پہلے سے موجود ہوتا ـــــ جیسا کہ حضرت ابو العاصؓ اور حضرت عثمانؓ کے پاس موجود تھا ـــــ تو حضورؐ کو حضرت فاطمہؓ کے لیے اتنا کچھ کرنے کی بھی ضرورت نہ پڑتی۔ پس سنت دراصل یہ ہے کہ اگر بیٹی کسی ایسے گھر میں رخصت ہو کر جانے والی ہو جو اثاث البیت سے

Marfat.com

خالی ہو تو اس کو اثاث البیت مہیا کرنا (نہ کہ جہیز دینا) چاہیے۔ اور پھر یہ بھی مہر ہی کی رقم سے مہیا کرنا چاہیے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ بیٹی کو شادی سے پہلے یا بعد یا شادی کے وقت کچھ نہیں دینا چاہیے یا رخصت کرنے سے پہلے اس کے بدن کے کپڑے بھی اتروا لینا چاہیے۔ آپ ساری عمر اس کو دیتے رہیے۔ لیکن اسے جہیز تو نہ کہیے اور جہز کا ترجمہ "جہیز دینا" تو نہ کیجیے۔ اگر جہیز کی اصطلاح ہی استعمال کرنا ضروری ہو تو اُسے لازمہ شادی تو نہ سمجھیے۔ اور اگر لازمۂ ازدواج ہی سمجھتے ہیں تو اسے سنتِ رسولؐ یا سنتِ صحابہؓ تو نہ کہیے۔ اسے زیادہ سے زیادہ تحائف، نیوتے اور مانجھے وغیرہ کی طرح کا ایک رسم و رواج کہیے جو مختلف برادریوں نے کسی زمانے میں امداد باہمی وغیرہ کی مصلحت کو سامنے رکھ کر قائم کیا ہوگا۔ لیکن رسم و رواج کو سنتِ رسول سے کیا تعلق؟ آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں شوق سے کیجیے لیکن اسے محض رسم و رواج کا درجہ دیجیے جس میں ترمیم کرنے، پابندی عاید کرنے یا اسے ترک کرنے کی ہر وقت گنجائش موجود ہے۔ اسے ضروری سنتِ رسولؐ سمجھ کر اس کی فکر میں گھلتے رہنے کو شریعتِ اسلامیہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ صرف ایک رسم ہے جو ہندوؤں سے لی گئی ہے۔ ہندوؤں کے ہاں بیٹی کو ترکہ نہیں ملتا اس لیے وہ ایک بار "دان" (جہیز) کے نام سے بہت کچھ بیٹی کو دے دیتے ہیں۔ ہندو خود اب اس رسم پر پابندی عاید کر چکے ہیں اور ساتھ ہی بیٹی کو ترکہ بھی دینے لگے ہیں لیکن ہم نے ہندوؤں سے جو رسم لے کر اختیار کر لی اس پر ابھی تک سنتِ رسول کا ٹھپا لگا کر قائم ہیں:

ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا

Marfat.com

۶

حضانت کے مسائل

حضانت کی تعریف

"معناها لغۃ مصدر حضنت الصغیر حضانۃ تحملت مؤنتہ و تربیتہ، وفی الشرع حفظ الصغیر و العاجز و المجنون و المعتوہ مما یضرہ بقدر المستطاع والقیام بتربیتہ و مصالحہ من تنظیف و اطعام وما یلزم لراحتہ....."[1]

"حضانت مصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں تغذیہ و تربیت کی ذمہ داری لینا۔ شرعی اصطلاح میں اس کے معنی ہیں خرد سال معذور اور نیم مجنون کو بقدر امکان نقصان رساں چیزوں سے بچانا اور اس کی تربیت اور بہبود مثلاً صفائی، خوراک اور ضروری آرام وغیرہ کا خیال رکھنا۔"

قرآن پاک میں اس کے متعلق کوئی واضح حکم نہیں، احادیث میں تین قسم کے نبوی فیصلے ملتے ہیں:

۱۔ بچے کو ماں رکھے تا آنکہ وہ عقد ثانی نہ کرلے۔ یہ مطلقہ کے لیے ہے[2]۔

---

[1] (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۴ ص۵۹۴)

[2] (ابوداؤد جلد۱، ص۱۱۰-۱۱۱)

، مسئلے میں امامیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ ملاحظہ ہو: من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۲، ص ۲۷۔ الاستبصار جلد۳، ص ۳۲۰، تہذیب الاحکام جلد ۲، ص ۲۷۸، اصول کافی جلد ۲، ص ۹۴۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ کا فیصلہ بھی حضرت عمر کے صاحبزادے عاصم کے بارے میں یہی تھا عاصم کی والدہ کو حضرت عمرؓ نے طلاق دے دی تھی۔ (موطا امام مالک ص ۳۲۱)

۲۔ خالہ رکھے۔ یہ اس کے لیے ہے جس کی والدہ نہ رہی ہو۔ (ابوداؤد جلد ۱، صفحہ ۱۱۰،۱۱۱) (صحیح بخاری جلد ۲، ص ۲۱۰)

۳۔ بچے کو اختیار دیا جائے کہ وہ والدین میں سے جس کے ساتھ رہنا چاہے رہے۔ یہ بھی مطالعہ کے لیے ہے[۵۳]

حضانت (پرورش و نگہداشت)

مشکل سے ہی یہ بات تصور میں آسکتی ہے کہ والدین صحیح الدماغ ہوں۔ اپنا گزارہ کسی طرح کر لیتے ہوں۔ مگر ماں بچے کی پرورش سے یا باپ اس کے اخراجات اٹھانے سے انکار کرے۔ یہ سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب:

۱۔ طلاق نے بچے کے والدین میں جدائی پیدا کر دی ہو۔

۲۔ بچے کے والدین (یا دونوں میں کسی ایک کی) موت واقع ہو گئی ہو۔

۳۔ کوئی ایک مفقود الخبر ہو جس کی وجہ سفر، کوئی ہنگامی افراتفری، اغوا، یا دماغی خرابی وغیرہ ہو سکتی ہے۔

۴۔ ایسی معاشی تنگی پیدا ہو گئی ہو کہ بچے کے والدین خود اپنے آپ کو بھی زندہ نہ رکھ سکتے ہوں۔

۵۔ حاضن (پرورش و نگہداشت کنندہ) کو ایسی بیماری لاحق ہو گئی ہو جو محضون (زیر نگہداشت و پرورش) کی پرورش و نگہداشت میں خلل انداز ہو۔

۶۔ زوجین کے ناروا برتاؤ یا چڑچڑے پن نے ایسی صورت حال پیدا کر دی ہو وغیرہ وغیرہ۔

ایسے موقعوں پہ چند سوال پیدا ہوتے ہیں:

---

۵۳ ابوداؤد جلد ۱، ص ۱۱۰-۲۱۰

Marfat.com

و۔ حضانت کا زیادہ حقدار کون ہے؟

ب۔ حاضن کے لیے کیا شرائط ضروری ہیں؟

ج۔ حضانت کی مدت زیادہ سے زیادہ کیا ہے؟

د۔ محضون کے اخراجات کس کے ذمے ہوں گے؟

ترتیب وار مندرجہ بالا سوالات کے جوابات یہ ہیں:

حقدارِ حضانت:

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ حضانت کا اوّل حقدار اور پھر ترتیب وار مستحقین کون کون ہیں۔ ائمہ اربعہ اس میں مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل نقشے سے ان کا فرق نمایاں ہو سکتا ہے:

حضانت میں ائمہ اربعہ کا مسلک

حنفیہ	مالکیہ	شافعیہ			حنابلہ
		اگر حاضنین			
		سب اکٹھے ہوں	صرف عورتیں ہوں	صرف مرد ہوں	
ماں	ماں	ماں	ماں	باپ	ماں
نانی	نانی	نانی	نانی	دادا	نانی
حقیقی بہن	حقیقی خالہ	باپ	دادی	حقیقی بھائی	باپ
پدری بہن	مادری خالہ	دادی	بہن	پدری بھائی	دادا
حقیقی بھانجی	ماں کی خالہ	پڑدادی	خالہ	مادری بھائی	دادی
مادری بھانجی	ماں کی پھوپھی	پھر جو اقرب ہو	بھانجی	حقیقی بھتیجا	حقیقی پھر اخیافی پھر علاتی بہن
باپ	دادی	-	بھتیجی	علاتی بھتیجا	حقیقی پھر اخیافی پھر علاتی خالہ

Marfat.com

دادا	باپ کی نانی	—	پھوپھی	حقیقی چچا	حقیقی پھر اخیافی پھر علاتی پھوپھی
حقیقی بھائی	باپ کی دادی	—	خالہ زاد بہن	علاتی چچا	ماں کی حقیقی اخیافی پھر علاتی خالہ
پدری بھائی	باپ	—	پھوپھی زاد بہن	—	باپ کی حقیقی اخیافی پھر علاتی خالہ
حقیقی بھتیجی	بہن	—	چچازاد بہن	—	باپ کی حقیقی اخیافی پھر علاتی پھوپھی
—	—	پھوپھی زاد بہن	—	—	باپ کی حقیقی پھر اخیافی پھر علاتی خالہ
پدری بھتیجی	پھوپھی	—	ماموں زاد بہن		بھتیجی
حقیقی چچا	باپ کی پھوپھی	—			بھانجی
پدری چچا	باپ کی خالہ	—		—	چچازاد بہن
پدری چچا کا فرزند	حقیقی بھانجی	—		—	پھوپھی زاد بہن
اس کے بعد اگر کوئی اور عصبہ ہو تو	مادری بھانجی	—		—	ماموں کی پھر باپ کی چچازاد بہن
مادری بھائی پھر	پدری بھانجی	—	—		
اس کا فرزند پھر	—	—	—	—	
مادری چچا پھر	—	—	—	—	
حقیقی ماموں	—	—	—	—	
پھر مادری ماموں	—	—	—	—	

Marfat.com

حنفیہ	مالکیہ	شوافع	حنابلہ
چچا، ماموں، پھوپھی اور خالہ زاد بہنوں کا حضانت میں کوئی حق نہیں۔ چچا زاد بھائی کو محضونہ نہیں دی جائے گی کیونکہ یہ محرم نہیں کبھی برابر کے حقدار ہوں تو اسے (موزوں ترین) کو ترجیح دی جائے گی۔ اس کے بعد زیادہ عمر والے کو۔ چچا زاد بھائیوں کے سوا کوئی نہ ہو تو کسی ایک کو یا کسی قابلِ اعتماد عورت کو قاضی دے دے گا ننہال کو دادھیال پر تقدم حاصل ہے۔	کئی برابر کے حقدار ہوں تو اصلح للحضانۃ کو ترجیح دی جائے گی	حقیقی کو علاتی اور علاتی کو اخیافی پر ترجیح ہے۔ چچا زاد بھائی غیر محرم ہے۔ اس لیے اسے محضونہ مشتہاۃ (یعنی وہ نابالغ محضونہ جس کی عمر اس قابل ہو جس میں مرد کو اپنی طرف راغب کرنے کے آثار موجود ہوں) نہیں دی جائے گی۔	غیر محرم کو حضانت کا حق نہیں خواہ رضاعی کیوں نہ ہو جہت مادری کو جہت پدری پر تقدم ہے اور حقیقی کو غیر حقیقی پر ترجیح ہے۔

حاضن کی شرائط اور ائمہ اربعہ کا مسلک

حنفیہ	مالکیہ	شوافع	حنابلہ
آزاد ہو	–	آزاد ہو	–
مرتد نہ ہو	اس پر دینی اعتماد ہو	مسلم ہو	–
فاسق نہ ہو	–	عفت و امانت دار ہو۔	–

Marfat.com

اجنبی سے شادی نہ کر لی ہو	اجنبی سے شادی ہو کر رخصتی نہ ہوئی ہو	کسی غیر محرم سے شادی نہ کی ہو	اجنبی سے شادی نہ کی ہو
—	عاقل اور راشد ہو	عاقل ہو	عاقل ہو
—	کوئی متعدی مرض نہ ہو	—	کوئی متعدی مرض نہ ہو
دوامی نگرانی کرے	—	—	—
—	پرورش سے عاجز نہ ہو	—	پرورش سے عاجز نہ ہو
—	کوئی محفوظ مکان موجود ہو	—	—
—	—	محضون کے شہر میں اقامت پذیر ہو	—
باپ تنگدست نہ ہو	—	—	—

مدت حضانت اور ائمہ اربعہ کا مسلک

محضون ۷ سال	بلوغ	تمیز و تخییر	۷ سال
محضونہ ۹ سال	تزویج	تمیز و تخییر	۷ سال[۲]

شافعیہ کے نزدیک تمیز سے مراد یہ ہے کہ ماں اور باپ میں تمیز کر سکے اور تخییر سے یہ مراد ہے کہ تمیز آجانے کے بعد اسے اختیار دے دیا جائے کہ وہ جس کے ساتھ چاہے رہے۔

محضون کے اخراجات اور ائمہ اربعہ کا مسلک

محضون بے مایہ ہو یا بالغ ہو	محضون بے مایہ ہو یا بالغ	محضون بے مایہ ہو	محضون بے مایہ ہو اور ناقابل کسب ہو

۲ے اثنا عشری شیعوں کے یہاں بھی ۷ سال ہی مدت حضانت ہے۔

(من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۲، صفحہ ۲۷۵)

Marfat.com

ناقابل کسب ہو یا طلب علم کر رہا ہو	ناقابلِ کسب ہو	—	ناقابلِ کسب ہو
نابالغ ہو	نابالغ و ناعاقل ہو	نابالغ ہو	—
آزاد ہو	آزاد ہو	آزاد ہو	حاضن و محضون دونو آزاد ہوں
—	محضونہ کی شادی و رخصتی نہ ہو چکی ہو	محضونہ غیر شادی شدہ ہو	—
—	—	—	حاضن کی مالی حیثیت اس قابل ہو
اگر باپ بے مایہ اور ناقابلِ کسب ہو تو اقارب پر اخراجات واجب ہیں جن میں ماں پھر دادا پھر چچا اور پھر بھائی پھر الاقرب فالاقرب ہے	ماں غنی بھی ہو تو وہ اخراجات ادا کرنے پر مجبور نہیں کی جائے گی صرف رضاعت پر مجبور کی جا سکتی ہے۔ اگر محضون کی ہلاکت کا خوف ہو	محضون کی رضاعت ماں پر ضروری ہے وہ اس کی اجرت طلب کر سکتی ہے۔ ماں پر محضون کا نفقہ ضروری نہیں	—
اگر اقارب میں کوئی غنی نہ ہو تو باپ کو اپنی اولاد کے لیے سوال کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اگر وہ بھی نہ کر سکے تو بیت المال پر واجب ہے۔	—	—	—

Marfat.com

اخراجاتِ حضانت

حنابلہ	شافعیہ	مالکیہ	حنفیہ
ماں اُجرت حضانت طلب کر سکتی ہے۔ اسے حضانت پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ باقی مسائلِ اخراجات اوپر بیان کیے جا چکے ہیں۔	حضانت کی اُجرت ماں کو دینا واجب ہے۔ باقی اخراجات کی صورت اوپر بیان کی جا چکی ہے۔	ماں پر حضانت بہرحال بلے اُجرت واجب ہے۔ باقی اخراجات کی شکل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔	محضون کی ماں اگر مطلقہ نہیں تو حضانت بلا اُجرت واجب ہے اگر وہ زوجیت سے الگ ہو چکی ہے تو اس کی اُجرت مذکورہ بالا نقشے کے مطابق ہوگی۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کسی بچے کی پرورش و نگہداشت کا ذمہ لینے والے شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ یہ ذمہ وہی لیتا ہے:-

جسے اس سے فطری محبت ہو۔

جو اس کے مال سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہو۔

یا اسے متبنّیٰ بنانا چاہتا ہو۔

یا محض ایک خادم مطلوب ہو، وغیرہ وغیرہ

اس میں ترجیح اسی کو حاصل ہونی چاہیے جو فطری محبت رکھتا ہو۔ مثلاً ماں، نانی دادی، بہن، پھوپھی، خالہ وغیرہ کو۔ ان میں ماں (یا زیادہ سے زیادہ نانی دادی، کے علاوہ) کوئی حاضنہ ایسی نہیں جو ہر حال میں یکساں مامتا کے ساتھ حقِ حضانت ادا کر سکے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خود کثیر الاولاد ہو اور مزید پرورش کا بوجھ نہ لینا چاہتی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دُور دُور رہنے یا ناخوشگوار تعلقات کی وجہ سے اسے محضون سے وہ دلی لگاؤ (ATTACHMENT) نہ ہو جو حضانت کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ محضون کی معذوری یا بدصورتی کی وجہ سے کوئی حضانت کا ذمہ نہ لینا چاہتا ہو۔

Marfat.com

جس کے پیشِ نظر محض مالی انتفاع ہی ہو اس میں ایک حاضن کی سی دل سوزی مشکل ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جو محض ایک خدمت گزار بننا چاہتا ہے اس میں بھی بلاشبہ مطلوبہ انس و محبت نہیں ہو سکتی۔ ہاں رشتے کے خواہشمند یا متبنّٰی بنانے والوں سے مطلوبہ لگاؤ کی امید ہو سکتی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حضانت کا جو حق عورت ادا کر سکتی ہے وہ مرد (خواہ باپ دادا یا بھائی وغیرہ کیوں نہ ہوں) ادا نہیں کر سکتے۔ اسی لیے اکثریت ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مردوں کا نمبر عورتوں کے بعد ہے بلکہ ماں اور اس کی جہت کے رشتہ داروں کو باپ کی جہت کے رشتے داروں پر خواہ وہ عورت ہی کیوں نہ ہو تقدّم حاصل ہے مثلاً پھوپھی پر خالہ کو ترجیح ہے۔

فقہا کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ کئی برابر کے حقداروں کا مقابلہ ہو تو حقِ حضانت اسے حاصل ہوگا۔ جو اصلح (موزوں ترین) ہو یعنی جو بچے کی پرورش و نگہداشت زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتا ہو۔

ائمہ فقہا کا ایک اور نکتے پر بھی اتفاق ہے کہ محضونہ کا حقِ حضانت غیر محرم بھائیوں کو نہیں۔ حاضنوں کی تمام فہرست میں جتنے بھی ہیں وہ سب محرم ہیں۔ بجز اس کے کہ محضونوں کی حاضنہ امام شافعی کے نزدیک چچازاد[1] اور خالہ زاد بہنیں ہو سکتی ہیں بشرطیکہ مردوں اور عورتوں میں کوئی دوسرا حاضن موجود نہ ہو لیکن حنفیہ کے نزدیک نہیں ہو سکتیں۔

ہم حضانت کی تمام بحثوں پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ برادری کے دانشمندوں کے مشورے سے عدالت خود اندازہ کرے کہ محضون کی زیادہ بہتری کے ساتھ جسمانی و ذہنی خدمت کون کر سکتا ہے؟ پھر اگر محضون صاحبِ مال ہو تو اس کے مال سے اخراجات پورے کیے جاتے ورنہ ورثا سے بقدر حصّۂ رسدی اخراجات وصول کیے جائیں۔ ورثا میں جو نادار ہوں ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور مالدار ورثا پر زیادہ بوجھ ڈالا جائے گا۔ اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جس طرح عہدِ فاروقی میں ہر نومولود کا وظیفہ مقرر کیا جاتا تھا۔ اسی طرح نادار محضونوں کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔ اس کے لیے خواہ کوئی ٹیکس ہی کیوں نہ لگانا پڑے۔

[1] ماموں زاد، پھوپھی زاد

Marfat.com

مراجع و مآخذ

القرآن الکریم — المنزل من الحی القیوم علی النبی الخاتم الرحیم

۱- احکام القرآن (مصر ۱۳۴۷) — ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص (۳۰۵-۳۷۰ھ)

۲- الاعلام طبع ثانی (مصر ۱۳۷۳ تا ۱۳۷۸) — خیر الدین الزرکلی

۳- اعلام النساء (دمشق ۱۳۷۸) — عمر رضا کحالہ

۴- اعلام الموقعین عن رب العالمین — شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر الدمشقی الحنبلی (ابن قیم الجوزیہ ۶۹۱-۷۵۱)

۵- الاستبصار فیما اختلف من الاخبار (مطبعۃ النجف ۱۳۷۶ھ) — ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی (۳۸۵-۴۶۰)

۶- اغاثۃ اللہفان (مصر) — شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر الدمشقی الحنبلی (ابن قیم الجوزیہ ۶۹۱-۷۵۱)

۷- اشراق مصابیح السیرۃ المحمدیہ بمزج اسرار المواہب اللدنیہ (مصر) — محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المالکی المصری (۱۰۵۵-۱۱۲۲)

۸- اصول الکافی (نولکشور لکھنؤ ۱۳۰۲) — ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق الکلینی (۳۲۹)

۹- بدایۃ المجتہد (قاہرہ ۱۳۷۱) — ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد القرطبی (۵۲۰-۵۹۵)

۱۰- البستان (بیروت ۱۹۲۷ء) — شیخ عبد اللہ البستانی اللبنانی (۱۲۷۱-۱۳۴۸)

۱۱- بغیۃ الالمعی (حاشیہ علی نصب الرایہ) مصر ۱۳۵۷ — الانور شاہ کاشمیری (...-۱۳۵۲)

۱۲- التاج الجامع للاصول (مصر ۱۳۵۴) — منصور علی ناصف الازہری (کان حیاً فی ۱۳۵۱)

۱۳- تاریخ بغداد (مصر) — احمد بن علی بن ثابت (خطیب بغدادی ۳۹۲-۴۶۳)

۱۴- تحفۃ الاحوذی (دہلی ۱۳۴۶) — عبد الرحمان بن عبد الرحیم مبارک پوری

Marfat.com

۱۵-	تفسیر ابن کثیر (مصر)	ابو الفداء اسماعیل بن عمر القرشی الدمشقی (۷۰۰-۷۷۴)
۱۶-	تفسیر خازن (دیکھو لباب التأویل)	
۱۷-	تہذیب الاحکام (مطبعۃ النعمان نجف از ۱۳۷۷-۱۳۸۲)	ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی (۳۸۵-۴۶۰)
۱۸-	الجامع الصحیح للبخاری (دہلی)	ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (۱۹۶-۲۵۶)
۱۹-	الجامع الصحیح لمسلم (مصر ۱۲۸۰)	ابو الحسین مسلم بن حجاج النیسابوری (۲۰۱-۲۶۱)
۲۰-	الجامع الصغیر فی حدیث البشیر النذیر (مصر ۱۳۷۳)	جلال الدین السیوطی (۸۴۹-۹۱۱)
۲۱-	الجوہر النقی علی ہامش سنن البیہقی (حیدر آباد)	علاؤ الدین بن علی بن عثمان الترکمانی (۶۸۳-۷۵۰)
۲۲-	روضۃ الصفا فی سیرۃ الانبیاء والملوک والخلفاء	میر خواند محمد بن خاوند شاہ بن محمود (۰۰۰۰-۹۰۳)
۲۳-	سنن ابن ماجہ (مصر ۱۳۷۲)	ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی (۲۰۹-۲۷۳)
۲۴-	سنن ابی داؤد (مصر ۱۳۶۹)	ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی (۲۰۲-۲۷۵)
۲۵-	سنن بیہقی (مصر)	ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی الشافعی (۳۸۴-۴۵۸)
۲۶-	سنن ترمذی (مصر ۱۳۷۷)	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (۲۰۹-۲۷۵)
۲۷-	سنن دارقطنی	ابو الحسین علی بن عمر حافظ بغدادی (۳۰۶-۳۸۵)
۲۸-	شرح الوقایہ (مجتبائی دہلی)	صدر الشریعۃ الثانی عبید اللہ بن مسعود (کان حیاً ۷۴۷)
۲۹-	عمدۃ الرعایہ (مجتبائی دہلی)	مولانا عبد الحی الفرنگی محلی (۰۰۰۰-۱۳۰۴)
۳۰-	عمدۃ القاری (شرح صحیح البخاری) مصر	قاضی بدر الدین محمد بن احمد العینی (۷۶۲-۸۵۵)
۳۱-	العنایہ فی شرح الہدایہ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود بن احمد البابرتی (۷۱۰-۷۸۶)
۳۲-	فتاویٰ مولانا عبد الحیؒ (لکھنؤ)	مولانا عبد الحیؒ فرنگی محلی (۰۰۰۰-۱۳۰۴)
۳۳-	فرق الزواج فی المذاہب الاسلامیہ (مصر)	شیخ علی خفیف۔ نقیۃ بالقاہرہ ۱۹۶۷ء

Marfat.com

۳۴- القضاء فی الاسلام (مصر) — القاضی محمود بن محمد بن عرنوس (..... - ۱۳۷۴)

۳۵- کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ (قاہرہ ۱۳۵۴) — عبدالرحمان الجزیری (۱۲۹۹-۱۳۶۰)

۳۶- کنز الدقائق (کراچی) — ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی (..... - ۷۱۰)

۳۷- لباب التاویل فی معانی التنزیل (مصر) — علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی الصوفی المعروف بالخازن (۶۷۸- ۷۷۱)

۳۸- المبسوط (مصر) — شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی (.....-۴۹۰)

۳۹- المحلیٰ (مصر ۱۳۴۸) — علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی الیزیدی (۳۸۴-۴۵۶)

۴۰- المختصر القدوری (کراچی) — ابوالحسین احمد بن محمد القدوری البغدادی (۳۶۲-۴۲۸)

۴۱- مسند احمد (مصر) — احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی المروزی (۱۶۴-۲۴۱)

۴۲- معالم التنزیل (مصر ۱۳۷۵) برحاشیہ خازن — ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی والشافعی (.....-۵۱۶)

۴۳- المغنی (مصر ۱۳۷۲) — ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ (۵۴۱-۶۲۰)

۴۴- من لا یحضرہ الفقیہ (نجف ۱۳۷۸) — ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی (.....-۳۸۱)

۴۵- المواہب اللدنیہ فی المنح المحمدیہ — شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی (۸۵۱-۹۲۳)

۴۶- موطا امام مالک (مصر) — مالک بن انس الحمیری الاصبحی المدنی (۹۳-۱۷۹)

۴۷- نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ (قاہرہ ۱۳۵۷) — جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی (...-۷۶۲)

۴۸- الہدایہ فی الفروع (دہلی) — برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانی (۵۳۰-۵۹۳)

Marfat.com

چند معاشی مسائل اور اسلام

از: سید یعقوب شاہ

اسلامی ممالک صدیوں کی نیند کے بعد بیدار ہوئے ہیں۔ ترقی یافتہ قوموں کی صف میں کھڑے ہونے اور آگے بڑھنے کے لیے انھیں جدید مسائل کو حل کرنا اور معاشرہ کے نئے تقاضوں کا ساتھ دینا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنی اجتہادی بصیرتوں کو بروئے کار لائیں۔ عصرِ حاضر کے مسائل پر قرآن و سنت کی روشنی میں غور کر کے ایسی راہ اختیار کریں جو احکام اسلامی کے مطابق ہو اور دورِ جدید کے مسلم معاشرے کی ضرورت بخوبی پوری کر سکے۔ یہ کتاب لکھنے میں اسی مقصد کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ اس کے مصنف جناب سید یعقوب شاہ پاکستان کے آڈیٹر جنرل اور حکومت مغربی پاکستان کے وزیر مالیات رہ چکے ہیں۔ وہ اقتصادیات کے بھی ماہر ہیں اور دینی علوم سے بھی شغف رکھتے ہیں۔ انھوں نے ربوٰا، زکوٰۃ اور بیمہ جیسے زندہ اور اہم مسائل پر اظہار خیال کیا ہے اور کتاب و سنت، تاریخ، عمرانیات اور اقتصادیات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد اپنے نتائج فکر سلیس انداز میں قلم بند کیے ہیں۔

صفحات: ۲۵۹

قیمت: قسم اوّل :- ۶/۵۰ روپیہ، قسم دوم: -/۵ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ

کلب روڈ۔ لاہور

Marfat.com

قوانینِ اسلامی کا نفاذ

قرآن و سنّت کی روشنی میں

از: سید یعقوب شاہ

سید یعقوب شاہ صاحب پاکستان کی ممتاز ہستیوں میں سے ہیں۔ وہ پہلے حکومت ہند اور پھر حکومتِ پاکستان میں معزز عہدوں پر فائز رہے۔ دین اسلام اور مسلمانوں سے محبت کا جذبہ انھیں اپنے خاندان سے ورثے میں ملا ہے۔ وہ سرکاری ملازمت کے دوران میں صوم و صلوٰۃ کے پورے پابند بھی رہے اور برابر دینی مطالعہ بھی کرتے رہے اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت میں بھی ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔

سید صاحب کی دلی آرزو ہے کہ پاکستان میں جلد قرآن اور سنت کے مطابق قوانین و ضوابط نافذ ہوں۔ اس راہ میں بعض حلقوں کی طرف سے جن مشکلات کا کبھی دبی زبان سے اور کبھی کھلم کھلا اظہار کیا جاتا ہے، سید صاحب نے اس کتاب میں ان کا جائزہ لیا ہے، اور ان مسائل کے حل قرآن اور حدیث اور فقہ کی روشنی میں پیش کیے ہیں۔

صفحات: ۳۶۸ قیمت: ۵۰/۹ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ

کلب روڈ۔ لاہور

Marfat.com

چند

ازدواجی مسائل

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

Institute of Islamic Culture
ادارہ ثقافت اسلامیہ
Lahore - Pakistan

Marfat.com